کتاب و سنت اور اسلافِ اُمت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد
حیدرآباد

Volume:16 Issue:1 January 2023

مدیر

مولانا محمد عبدالقوی

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.iauth.in

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

درسِ قرآن	مال واولاد پر فخر ومباہات	مولانا محمد عبدالقادر فرید قاسمی	۵
درسِ حدیث	صلۂ رحمی کے دنیوی برکات وثمرات	مفتی محمد احمد علی قاسمی	۷
پیش گفتار	اہل سنت والجماعت اور فرقِ باطلہ	مدیر	۹
گوشۂ سیرت	میرا اُسوہ تمہارے لئے کافی نہیں!	مولانا سید خواجہ نصیر الدین قاسمی	۲۱
گوشۂ خواتین	اسلام کی باکمال خواتین	مولانا مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی	۲۲
تذکارِ صحابہؓ	حضرت خباب بن الارتؓ	مولانا محمد عبدالرشید طلحہ نعمانی قاسمی	۲۵
اصلاحی مضامین	ضیاعِ وقت کا ایک بڑا سبب موبائل فون اور۔۔۔	مولانا مفتی محمد ابراھیم قاسمی، حسامی	۳۱
"	ہم کو اسلاف سے کیا نسبتِ روحانی ہے!	مولانا مفتی محمد سلمان قاسمی محبوب نگری	۳۳
خصوصی مضمون	جمہوریت؛ پس منظر وپیش منظر	مفتی محمد نوید سیف حسامی	۳۷
"	ہندوستان کا دستور اور پامال ہوتی جمہوریت	مولانا مفتی احمد عبیداللہ یاسر قاسمی	۴۰
افاداتِ اکابر	اکابر کی چند زریں نصائح	حضرت مولانا مفتی ارشد صاحب مدظلہ	۴۵
"	مدارسِ اسلامیہ عربیہ کی اہمیت	انتخاب	۴۷
مطالعہ کی میز پر	فضائل اخلاق واخلاص (مرتبہ ابن غوری)	مولانا مفتی محمد حبیب الرحمٰن قاسمی	۴۸
فقہ وفتاویٰ	آپ کے شرعی مسائل	مولانا مفتی محمد ندیم الدین قاسمی	۴۹

اشرف الجرائد کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ ادارہ

درسِ قرآن

مال واولاد پر فخر ومباہات

از: مولانا محمد عبدالقادر فرید قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۙ﴿۱﴾ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ؕ﴿۲﴾ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ﴿۳﴾ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ؕ﴿۴﴾ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ؕ﴿۵﴾ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۙ﴿۶﴾ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۙ﴿۷﴾ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ﴿۸﴾ (سورۃ التکاثر)

ترجمہ: ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر (یعنی دنیا کا عیش) حاصل کرنے کی ہوس نے تمہیں غفلت میں ڈال رکھا ہے، یہاں تک کہ تم قبرستانوں میں پہونچ جاتے ہو، ہرگز ایسا نہیں چاہیئے، تمہیں عنقریب سب پتہ چل جائے گا، پھر (سن لو کہ) ہرگز ایسا نہیں چاہیئے، تمہیں عنقریب سب پتہ چل جائے گا، ہرگز نہیں اگر تم یقینی علم کے ساتھ یہ بات جانتے ہوتے (تو ایسا نہ کرتے) یقین جانو کہ تم دوزخ کو ضرور دیکھو گے، پھر یقین جانو کہ تم اُسے بالکل یقین کے ساتھ دیکھ لوگے، پھر تم سے اُس دن نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا (کہ اُن کا کیا حق ادا کیا)۔

توضیح: سورۂ مذکورہ کی ابتدائی آیات میں اس عام حقیقت کا بیان ہے کہ دنیوی جاہ ومال، ساز وسامان، قوت وشوکت پر فخر وناز اور ان کی محبت وطلب، آخرت فراموش انسان کے قلب پر غفلت کے پردے ڈالے رکھتی ہے، اور اس میں خوف خدا وخشیت الٰہی پیدا ہی نہیں ہونے دیتی، یہاں تک کہ موت کا وقت آجاتا ہے، اور انسان قبر میں پہنچ جاتا ہے۔ سرگشتگان دنیا کا روز اول سے یہی طریق رہا کہ زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کے لیے سعی وکوشش کرتے ہیں، اور جس کے پاس زیادہ مال ہوجائے وہ اس پر فخر کرتا ہے، پھر دوسرا شخص اس کے مقابلے میں اپنے مال کی کثرت بیان کرتا ہے، اور اگر بیان نہ کرے تو ذہنی مقابلہ تو رہتا ہی ہے، جس کو سورۃ الحدید میں یوں بیان فرمایا گیا: اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّ زِيْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ۔ ترجمہ: جان لو کہ دنیاوی زندگی کی حقیقت بس یہ ہے کہ وہ نام ہے کھیل کود کا، ظاہری سجاوٹ کا، ایک دوسرے کے مقابلہ میں فخر کرنے کا اور اموال واولاد میں آپس میں اپنے کو دوسرے سے بڑھ کر

* ذمہ دار ادارہ حبیب المدارس

بتانا کا۔ مال کی طلب اور کثرت مال کی مقابلہ بازی لوگوں کو اللہ کی رضا کے کاموں کی طرف سے اور موت کے بعد کی زندگی کے لیے فکرمند ہونے سے غافل رکھتی ہے، اسی طرح دنیا گزارتے ہوئے مرکر قبروں میں پہنچ جاتے ہیں۔ جب وہاں کے حالات سے دوچار ہوتے ہیں تو یہ چھوڑا ہوا مال کچھ بھی فائدہ مند نہیں ہوتا۔

تفسیر معالم التنزیل میں اس موقع پر عرب کی مقابلہ بازی کا ایک قصہ بھی لکھا ہے؛ اور وہ یہ کہ بنوعبدمناف بن قصی اور بنوسہم بن عمرو میں وہی دنیاداری والا تفاخر چلتا رہتا تھا۔ ایک دن آپس میں اپنے افراد کی تعداد میں مقابلہ ہوا، دیکھو کن کے سرداروں اور اشراف کی تعداد زیادہ ہے، ہر فریق نے اپنی اپنی کثرت کا دعویٰ کیا جب شمار کیا تو بنوعبدمناف تعداد میں زیادہ نکلے، بنوسہم نے کہا کہ ہمارے مردوں کو بھی تو شمار کرو وہ بھی ہم ہی میں سے تھے، اِس کے بعد قبروں کو شمار کیا تو بقدر تین گھروں کی آبادی کے بنوسہم کے چند افراد گنتی میں بڑھ گئے، اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ نازل فرمائی۔

تفسیر ابن کثیر میں بھی اسی طرح مقابلہ بازی کے بعض قصے ذکر کیے ہیں۔ سبب نزول کے بارے میں جو باتیں نقل کی گئی ہیں، کوئی بھی حدیث مرفوع سے ثابت نہیں، اور نہ کسی صحابی کی طرف ان واقعات کے تذکرہ کو منسوب کیا گیا ہے، نیز آیت شریفہ کی تفسیر اور توضیح ان واقعات کے جاننے پر موقوف بھی نہیں ہے۔ آیت شریفہ کا جو مفہوم ذہن میں متبادر ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ تم تفاخر و تکاثر میں ایسے لگے کہ قبروں میں پہنچ گئے۔ اس کے بعد تین مرتبہ لفظ کَلَّا لاکر متنبہ فرمایا، یہ لفظ جھڑکنے، ڈانٹنے اور تنبیہ کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، جس کا ترجمہ ہے "ہرگز نہیں" یعنی یہ بات نہیں ہے کہ مالوں کا جمع کرنا اور ان کی کثرت پر مقابلہ کرنا تمہارے لیے مفید ہوگا۔ عنقریب تم لوگ جان لوگے۔ پھر جاننے کے بھی تین درجات ہیں، علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین میں فرق اِس طرح ہے، مثلاً کوئی آپ سے کہے کہ اس کے پاس شہد ہے آپ کو اس کی صداقت میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے، یہ علم کا پہلا مرحلہ ہے، جب آپ نے اپنی آنکھوں سے شہد دیکھ لیا تو آپ کا یقین پختہ ہوگیا، یہ دوسرا مرحلہ ہے، پھر آپ نے اسے چکھ بھی لیا تو اب یقین میں مزید اضافہ ہوگیا، یہ علم کا آخری مرحلہ ہے۔ ان میں پہلا علم الیقین ہے، دوسرا عین الیقین ہے اور تیسرا حق الیقین ہے۔ آیتِ شریفہ کے اخیر میں کہا گیا کہ اس دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ایک ایک نعمت کے بارے میں تم سے جواب طلبی ہوگی کہ دنیا میں تم نے اس کی کون کون سی نعمتوں سے استفادہ کیا اور ان کے حقوق کہاں تک ادا کیے۔ اللہ پاک ہمیں آخرت کے استحضار اور نعمتوں پر شکر گذاری و جواب دہی کے احساس کے ساتھ زندگی گذارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

درسِ حدیث

صلۂ رحمی کے دنیوی برکات وثمرات

از: مولانا مفتی محمد احمد علی قاسمی*

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: تَعَلَّمُوْا مِنْ اَنْسَابِكُمْ مَا تَصِلُوْنَ بِهٖ أَرْحَامَكُمْ فَاِنَّ صِلَةَ الرَّحِمِ مَحَبَّةٌ فِیْ الاَهْلِ مَثْرَاةٌ فِی الْمَالِ مَنْسَاةٌ فِی الاَثَرِ (ترمذی:۱۹۷۹)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے نسبوں میں سے اس قدر سیکھو کہ جس کے ذریعہ تم اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حُسنِ سلوک کرسکو؛ کیوں کہ رشتہ داروں کے ساتھ حُسنِ سلوک کرنا خاندان والوں میں باہمی محبت وموانست، مال میں کثرت وبرکت اور درازیٔ عمر کا سبب ہے۔

تشریح: خدائی نظام اور مشیتِ الٰہی کے مطابق جب بھی دنیا میں کوئی شخص وجود پذیر ہوتا ہے تو وہ اُسی وقت ماں باپ کی جہت سے ایک خاندانی نظام کے بندھن میں بندھ جاتا ہے، جو قرآن کی آیتِ شریفہ کی رو سے "نسب" کہلاتا ہے، اور جب جوان ہوکر ازدواجی زندگی میں قدم رکھتا ہے تو شریکِ حیات کی جہت سے ایک دوسرے خاندانی نظام سے منسلک ہوجاتا ہے، جو آیتِ شریفہ کے مطابق "صھر" کہلاتا ہے، اسلام کی بنیادی اور اساسی تعلیمات واحکامات میں یہ ایک نہایت تاکیدی حکم ہے کہ ان سب کے ساتھ حسنِ سلوک کیا جائے؛ اسی کا نام "صلہ رحمی" ہے، قرآنِ مقدس کی کئی آیتوں اور احادیثِ شریفہ کی بے شمار نصوص میں "صلۂ رحمی" کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے، جو کسی بھی مسلمان کے لئے لازمی اور واجبی حکم ہے، اور "قطع رحمی" سے جابہ جا منع کیا گیا ہے، جو از روئے شریعت حرام اور ناجائز ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تین صفات ایسی ہیں کہ وہ جس شخص میں بھی ہوں اللہ تعالیٰ اُس سے آسان حساب لے گا اور اُسے اپنی رحمت سے جنت میں داخلہ فرمائے گا اُن تین صفات میں ایک یہ بیان فرمایا: جو تجھ سے رشتہ داری اور تعلق توڑے تو اس سے جوڑے۔

* استاذِ حدیث وفقہ ادارہ ہذا

اس کے برخلاف رشتہ ناطہ توڑ دینا اور رشتہ داری کا پاس ولحاظ نہ رکھنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کس درجہ مبغوض ومکروہ ہے اس کا اندازہ ایک دوسری حدیث سے لگایا جا سکتا ہے؛ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میدانِ محشر میں رحم (یعنی رشتہ داری) عرشِ الٰہی پکڑ کر یہ کہے گا: جس نے مجھے دنیا میں جوڑے رکھا آج اللہ تعالیٰ بھی اُسے جوڑے گا (یعنی اُس کے ساتھ انعام واحسان اور رحمت کا معاملہ ہوگا) اور جس نے دنیا میں مجھے کاٹا، آج اللہ تعالیٰ بھی اُسے کاٹ کر رکھ دے گا (یعنی وہ عذابِ الٰہی کا شکار ہوگا)۔ صلۂ رحمی کا مطلب رشتہ داروں کے ساتھ اچھے تعلقات قائم رکھنا، دکھ درد اور خوشی غمی میں ایک دوسرے کے شانہ بہ شانہ چلنا، آپس میں رابطہ اور تعلق رکھنا، باہمی اتفاق واتحاد کو برقرار رکھنا۔ حسبِ ضرورت حتی المقدور مالی تعاون کرنا، اور محبت وہمدردی اخوت و بھائی چارگی کے تمام تقاضوں کو پورا کرنا۔

ان تمام تقاضوں پر عمل آوری اُسی وقت ممکن ہے جب انسان کو اپنے نسب کا علم بھی ہو؛ اس لئے حدیث مذکور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے یہی حکم دیا کہ تم اپنے نسب کا علم حاصل کرو، یعنی تمہیں اپنے رشتہ داروں اور قرابت داروں کا تعارف وعلم ہونا چاہئے، تب ہی تم صلہ رحمی کے لازمی حکم کو پورا کر پاؤ گے؛ پھر آگے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلہ رحمی کے تین دنیوی برکات وثمرات شمار فرمائے ہیں؛ کہ صلہ رحمی خاندان میں محبتوں اور چاہتوں کے حصول کا سبب ہے، مال ودولت میں وسعت وبرکت کا ذریعہ ہے، نیز زندگی میں برکت اور درازیٔ عمر کا وسیلہ ہے، دنیا میں ہر انسان انہی تین چیزوں کا طالب ہوتا ہے۔

نیز یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیئے کہ ''صلۂ رحمی'' مکافاتِ عمل کا نام نہیں ہے کہ کوئی ہمارے حسنِ سلوک کرتا ہے تو ہم بھی اُس کے ساتھ حُسنِ سلوک کریں؛ یہ تو بدلہ اور جزاء ہے، اصل ''صلہ رحمی'' تو یہ ہے کہ اگر کوئی قطعِ رحمی کرے تو اُس کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کرے؛ دوسری حدیثِ شریف اس کی تصدیق ہے۔

اس لئے اگر ہم صلہ رحمی کو خدائی فریضہ سمجھ کر خلوصِ دل کے ساتھ اُس کے تقاضوں کو رُو بہ عمل لاتے ہیں تو آخرت کے انعامات واحسانات کے ساتھ ساتھ دنیا کے ان برکات وثمرات کو بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

اللہ پاک ہمیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس بیش بہا نصیحت پر عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

پیش گفتار

اہل سنت والجماعت اور فرق باطلہ

از: مدیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم، امابعد!

فِرَقْ فِرْقَۃٌ کی جمع ہے جس کے معنیٰ گروہِ انسانی کے ہیں، اسلامی اصطلاح میں حق اور باطل کی نسبت کے ساتھ اسلامی مکاتب فکر کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ علامہ مناویؒ فرماتے ہیں: افتراق اجتماع کی ضد ہے اور فرقہ لوگوں کے ایک گروہ کو کہا جاتا ہے۔ (فیض القدیر: ۲/ ۱۳)

فرقوں کی اصل حدیثِ افتراق ہے جس کی تخریج تقریباً پندرہ صحابہ کرامؓ سے سُنن اور دیگر کتب کے مصنفین نے اپنی اپنی کتب میں کی ہے۔ ان میں سے دو حدیثیں درج ذیل ہیں:

● پہلی روایت عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **اِفترقَتِ اليهودُ على إحدى أو اثنتين وسبعين فرقةً، وتفرَّقت النَّصارى على إحدى أو اثنتين وسبعين فرقةً، وتَفترِقُ أمَّتي على ثلاث وسبعين فرقةً.** (ابوداؤد: ۴۵۹۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہود اکہتر یا بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے، عیسائیوں کا بھی یہی حال ہوا، میری امت بھی تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔

● دوسری روایت: **عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: **لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِي مَا أَتَى عَلَى بني إسرائيل حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ، حَتَّى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَى أُمَّهُ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَصْنَعُ ذَلِك، وَإِنَّ بني إسرائيل تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً،**

كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلاَّ مِلَّةً وَاحِدَةً، قَالُوا: وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي. میری امت پر ایسا دور آنے والا ہے کہ وہ بنی اسرائیل کی ہر ادا کو دہرائیگی .... اور یہ کہ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے، میری امت بھی تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، ان میں سے سوائے ایک کے سب کے سب جہنم میں جائیں گے، صحابہؓ نے پوچھا وہ ایک فرقہ کون سا ہوگا؟ فرمایا ''جس طریق پر میں اور میرے اصحابؓ ہیں'' (ترمذی: ۲۹۱/۴) ایک اور روایت میں بجائے ماانا علیہ واصحابی کے **ھی الجماعة** مروی ہے۔

یہ دونوں روایتیں ترمذی شریف میں موجود ہیں، پہلی روایت پر انہوں نے ''صحیح'' کا حکم لگایا ہے اور دوسری روایت پر ''غریب'' کا، تاہم دیگر علماء نے اس کی بھی تحسین کی ہے پھر شواہد وتوابع کی وجہ سے تو یہ بھی قابلِ اعتماد واحتجاج بہرحال ہو ہی گئی ہے۔[1]

مذکورہ بالا دونوں روایتوں میں اور اس سلسلہ کی دیگر روایات اور ان کی معتبر شروحات میں غور کرنے سے افتراقِ امت کی پیش قیاسی سے متعلق درجِ ذیل باتیں سامنے آتی ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ: پچھلی امتوں بالخصوص یہود ونصاریٰ میں فہمِ دین کے سلسلہ میں اختلاف ہوگیا تھا اور وہ ایک امت ہونے کے باوجود علی الترتیب اکہتر اور بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے۔ اور یہ کہ گذشتہ امتوں کی طرح امت محمدیہ ـــ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ـــ بھی ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے فکری اختلافات کی شکار ہوگی بل کہ ایک قدم آگے بڑھ کر تہتر فرقوں میں تقسیم ہوجائے گی۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے تھوڑے ہی وقفے کے بعد یہ تہتر فرقے وجود میں آگئے، خلافتِ راشدہ کے اختتامی مراحل ہی سے فرقِ باطلہ کا آغاز ہوگیا تھا۔ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

''بدعتیں اسلام میں یکے بعد دیگرے آہستہ آہستہ پیدا ہوتی رہیں، جیسے خلفاء راشدین کے آخری زمانے میں روافض وخوارج پیدا ہوئے، صحابہؓ کے آخری دنوں میں مرجئہ اور قدریہ کا ظہور ہوا، اسی طرح تابعین کے آخری دور میں جہمیہ اور معطلہ وجود میں آئے''۔ (القضاء والقدر ص: ۲۸۲)

غالباً اس میں یہ تکوینی مصلحت بھی تھی کہ فرقِ باطلہ سے نمٹنے کی عملی شکل اور مسنون طریق خیر القرون ہی میں امت کو معلوم ہوجائے، اور یہ اہم کام ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلفاء راشدین اور اجماع صحابہؓ

---

[1] تفصیل کے لئے علامہ بدر عالم میرٹھیؒ کی معروف کتاب ''ترجمان السنۃ'' (۲۱/۱ تا ۲۸) اور شیخ ناصر الدین البانی کی ''سلسلۃ الصحیحۃ'' (۴۰۴/۱) کی مراجعت کی جاسکتی ہے۔

کے ذریعہ ہی سے ممکن تھا۔ پھر دوسری صدی میں ان چند اصولی فرقوں کی کوکھ سے یکے بعد دیگرے فرقے پیدا ہوتے چلے گئے جو بالآخر بہتّر کے عدد تک پہنچ گئے۔ علامہ عبدالرؤوف مناویؒ فرماتے ہیں:

''فرقہائے باطلہ کے اصول چھ فرقے ہیں: روافض، خوارج، قدریہ، جہمیہ، مرجئہ اور جبریہ، ان میں سے ہر ایک کے بارہ فرقے ہیں، اس طرح کل بہتر فرقے ہوجاتے ہیں''۔ (فیض القدیر: ۲/۳۱)

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے المواقف کے حوالہ سے چھ کے بجائے آٹھ اصول قرار دیئے ہیں، معتزلہ، شیعہ، خوارج، مرجئہ، نجاریہ، جبریہ، اور مشبہہ۔ پھر معتزلہ کے بیس، شیعہ کے بائیس، خوارج کے بیس، مرجئہ کے پانچ، نجاریہ کے تین اور جبریہ ومشبہہ کے ایک ایک جملہ بہتر فِرق بتلائے ہیں۔ (مرقات المفاتیح: ۱/۳۸۱) نیز شہرستانی نے بہتر کی اصل چار ہی بتلائی ہے۔ خوارج، روافض، قدریہ اور صفاتیہ

غور کیا جائے تو اصول وفروع کی تقسیم خواہ کسی بھی طرح ہو بہر حال یہ نبی کریم ﷺ کا معجزۂ واضحہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے بعد امت کے بٹنے کی جو خبر دی تھی وہ جلد ہی منصۂ شہود پر آئی اور وہی ہوا جس کی خبر دی گئی تھی۔

دوسری بات یہ ہے کہ: ان تہتر میں سے بہتر فرقے تو اپنی فکری بے راہ روی اور اعتقادی خرابی کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے، البتہ صرف ایک فرقہ صلابتِ فکر اور سدادِ راہ کی بدولت جنت میں جائے گا۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے خود ہی ارشاد فرمادیا: ''سب کے سب جہنم میں جائیں گے سوائے ایک کے''۔ واضح رہے کہ یہ فرقہ بھی اگرچہ فکری گمراہی سے محفوظ رہنے کی وجہ سے جہنمیوں میں نہیں ہے مگر عمل کی خرابی وکوتاہی کی بناء پر یہ بھی جہنم میں جاسکتا ہے، البتہ نوعیتِ عذاب میں فرق ہوگا۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے: تحفۃ الالمعی ۶/۴۲۰)

تیسری بات یہ ہے کہ: وہ بہتر فرقے جو جہنم میں جائیں گے آپ ﷺ کی اُمتِ اجابت میں سے ہوں گے، کفار ومشرکین میں سے نہیں، کیوں کہ آپ ﷺ نے تفترق امتی کہہ کر ان کی نسبت اپنی جانب فرمائی ہے، جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ فرقے مسلمانوں کے اندر پیدا ہوں گے، ملا علی قاریؒ نے ابھری سے نقل کیا ہے: **ان المراد بالامۃ امۃ الاجابۃ عند الاکثر** (مرقات: ۱/۳۸۰) اسی وجہ سے ان کا دخولِ جہنم ابدی اور دائمی نہ ہوگا، بلکہ عارضی وعلاجی ہوگا، بقدر ضرورت سزا کے بعد پھر وہ بھی جنت میں چلے جائیں گے، البتہ ان میں سے کسی کا اختلاف حدِ تحمل سے گذر کر اصولی اعتبار سے ناقابلِ تحمل ہوجائے اور کفر صریح تک پہونچ جائے تو پھر اس کو دائمی طور پر جہنم میں جانا ہوگا۔ ملا علی قاریؒ نے وضاحت کی ہے:

''سب کے سب جہنم میں اس لئے ہوں گے کہ انہوں نے ایسی باتوں سے تعرض کیا تھا جو جہنم میں لے

جانے والی ہیں، پھر ان میں سے جو کافر ہیں وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور جو محض بدعتی ہیں وہ بھی مستحق جہنم ہیں الا یہ کہ اللہ تعالیٰ انہیں درگذر فرمادے۔(مرقات:۱/۳۸۱)

چوتھی باتی یہ ہے کہ: فرقوں کی یہ تقسیم دین وعقیدہ یعنی اصول اسلام میں اختلاف کی بنیاد پر ہوگی، فقہی جزئیات یا فروعی احکام میں اختلاف تفرقہ نہیں کہلاتا اور اس کی وجہ سے کوئی مکتبِ فکر فرقہ نہیں بنتا، بلکہ وہ ''الا واحدۃ'' ہی میں شامل اور نجات یافتہ رہتا ہے

حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس افتراق سے مراد وہ مذموم افتراق ہے جو دین کے اصولی احکام میں واقع ہو، جہاں تک ائمہ کے فروعی اختلافات ہیں تو وہ ہرگز مذموم نہیں ہیں، بلکہ وہ تو حق تعالیٰ کی رحمت ہیں، آپ دیکھتے ہیں کہ فروعِ دین میں اختلاف رکھنے والے سب گروہ اصولِ دین میں متحد ومتفق ہیں، اسی لئے وہ آپس میں ایک دوسرے کی تکفیر وتضلیل نہیں کرتے، برخلاف اس کے اصولِ دین میں اختلاف کرنے والے آپس میں ایک دوسرے کو کافر قرار دیتے رہتے ہیں''۔(بذل المجہود:۱۳/۶)

امام ابو منصور بغدادیؒ نے یہی بات مزید وضاحت کے ساتھ کہی ہے:

''ہر صاحبِ سمجھ عالمِ دین جانتا ہے کہ جہنم میں جانے والے فرقِ مذمومہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد فقہاء کی جماعتیں نہیں ہیں، جو اصولِ دین میں متحد ہونے کے باوجود فقہی وفروعی احکام میں اختلاف رکھتے ہیں، فرقِ مذمومہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصود تو وہ اہلِ ہوا وہوس ہیں جو عدل وتوحید، وعدہ ووعید، اور قدر وجبر جیسے بنیادی عقائد میں اہل سنت والجماعت سے اختلاف کرتے ہوئے اپنی علاحدہ رائے رکھتے ہیں''۔

(الفَرق بین الفِرَق:ص ۱۴)

پانچویں بات یہ ہے کہ: صحابۂ کرامؓ نے ان بہتر گم راہ فرقوں کی بابت تفصیل معلوم کرنے کے مقابلے میں اس کو ترجیح دی کہ صرف نجات پانے اور جنت میں جانے والے فرقے کے بارے میں معلوم کرلیں کہ وہ کونسا ہے؟ اسی لئے انہوں نے ناجی فرقے کی بابت سوال کیا، ان کے سوال کا جواب دیتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو یہ فرمایا ''**ما انا علیہ واصحابی**'' اس کی وضاحت میں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

''ما انا علیہ واصحابی کا مطلب یہ ہے کہ'' وہ لوگ جو میرے بعد میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت پر عامل ہوں گے'' اور یہ لوگ بے شک وشبہ وہی ہیں جن کو اہل السنۃ والجماعۃ کہا جاتا ہے؛ اور بعض علماء نے اس جملے کی تقدیر اس طرح مانی ہے کہ اہل جنت وہ گروہ ہے جو عقیدہ اور قول وعمل میں میرے اور

میرے صحابہؓ کے طریق پر ہے۔(مرقات المفاتیح:۱/۳۸۱)

ایک دوسری روایت میں اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرقۂ ناجیہ کو ''الجماعۃ'' سے تعبیر فرمایا گیا ہے، اس سے مراد بھی جماعتِ صحابہؓ ہی ہے۔علامہ عبدالرؤف مناویؒ نے ایک اور نکتہ اس جگہ بیان کیا ہے کہ

''جو جماعتیں صحابہؓ سے اختلاف کر کے اپنا علاحدہ موقف بنالیتی ہیں ان پر اگر غور کیا جائے تو ان کی جڑ کٹی ہوئی نظر آتی ہے، اور فرقہ بنتا ہی ہے صحابۂ کرامؓ سے علاحدہ ہوجانے کی بنیاد پر''۔(فیض القدیر:۲/۳۱)

چھٹی بات یہ ہے کہ: اہل سنت والجماعۃ کی تعیین ــــ کہ یہی فرقہ ما انا علیہ و اصحابی یا الجماعۃ کا مصداق ہے ــــ محض ظن وتخمین یا شخصی رائے سے نہیں ہوئی بلکہ امت کے اجماع اور جمہور کے اتفاق سے ہوئی ہے؛ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں:

''یہ بات اجماع سے ثابت ہوئی ہے اور جس بات پر علماء اسلام کا اجماع ہوجائے وہ حق ہے اور جو اس کے برخلاف ہے وہ باطل ہے۔''(مرقات:۱/۳۸۱)

علامہ عبدالرؤف مناویؒ مزید وضاحت کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں:

''یہ بات دعوائے محض یا ظن وتخمین نہیں ہے، بلکہ اس دین کے ماہرین اور ائمہ حدیث ــــ جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحابِ کرام کے حالات کو ایسے لوگوں سے لے کر جمع کیا ہے جن کی روایتوں اور کتابوں پر مشرق ومغرب کے علماء نے اعتماد کیا ہے، جیسے خطابی، بغوی اور نووی (رحمہم اللہ وجزاہم اللہ) ــــ سے منقول ہونے کی بنا پر نیز ان لوگوں کی تحقیق کے بعد جو ان کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں یہ طئے ہوا کہ الا واحدۃ کے مصداق اہل السنۃ والجماعۃ ہی ہیں۔(فیض القدیر: ۲/۳۱)

ساتویں بات یہ ہے کہ: اہل سنت والجماعت وہ لوگ کہلاتے ہیں جو اصول دین یعنی ذات وصفاتِ باری، برزخ، حشر ونشر، رویتِ الٰہی، کلامِ الٰہی، رسالت وامامت وغیرہ امور میں کتاب وسنت اور اجماعِ امت سے انحراف نہیں کرتے، نقلِ صحیح پر اعتماد کرتے ہیں اور تاویلاتِ باطلہ وفاسدہ سے اجتناب کرتے ہیں،۔امام ابومنصور بغدادیؒ نے بہت تفصیل سے اس مسئلے کو بیان کیا ہے، ہم اس کا خلاصہ نقل کرتے ہیں:

''جہاں تک تہتر ویں فرقے کی بات ہے تو وہ ''اہل السنۃ والجماعۃ'' ہیں، جن میں وہ فقہاء ومحدثین، قراء ومفسرین اور متکلمین شامل ہیں، جو حق تعالیٰ کی توحید ذات وصفات اس کے عدل وحکمت، اس کے اسماء وافعال، نبوت وامامت، امورِ آخرت اور دیگر احکامِ دین میں متفق ہیں، اگرچے کہ فروعی احکام اور حلال وحرام کی تحقیق میں مختلف ہیں، اور اس فرعی وفقہی اختلاف کی وجہ سے ایک دوسرے کی تضلیل وتکفیر نہیں کرتے بلکہ ایک

دوسرے کا احترام کرتے ہیں، یہی طبقہ فرقۂ ناجیہ ہے، ● اس طبقے کو حق تعالیٰ کی وحدانیت، ذات وصفات کی قِدَمیت وازلیت، اور بلاتشبیہ وتعطیل امکانِ رویت کے قائل ہونے، ● نیز اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور شریعتِ اسلامیہ کی تصدیق وتائید کرنے، ● قرآن کریم کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام مان لینے، ● اسی طرح احادیثِ صحیحہ سے ثابت امورِ آخرت مثلاً حشر ونشر، قبر میں فرشتوں کے سوال، اور حوض ومیزان وغیرہ کا اقرار کرنے کی برکت نے فروعی اختلافات کے باوجود ایک ہی فرقے میں شامل کر دیا ہے۔ پس جو کوئی شخص مذکورہ بالا امور میں اہل السنۃ والجماعت کے ساتھ ہو اور اس سلسلے میں خوارج، روافض، قدریہ وغیرہ مخالفین اہل سنت کے اہواء وبدعات سے اپنے کو دور رکھے اور اسی پر اس کی موت آئے تو وہ فرقۂ ناجیہ میں شامل ہے۔ اس تفصیل کے مطابق جمہورِ امت اور ـــــ سوادِ اعظم جو مالک وشافعی وابوحنیفہ واحمد واوزاعی وثوری اور داؤد ظاھری رحمہم اللہ کے متبعین پر مشتمل ہیں ـــــ فرقۂ ناجیہ کہلائیں گے۔'' (الفَرق بین الفِرَق: ص ۳۴ تا ۳۷)

اسی سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ آج کل اہلِ قرآن واہلِ حدیث وغیرہ پورے وثوق اور شدت کے ساتھ مقلدین پر گمراہی بلکہ کفر وشرک کے تک الزامات لگا رہے ہیں ان کی کیا حقیقت ہے اور اہل سنت پر گمراہ کن الزامات کی وجہ سے وہ خود گمراہی کے کس دلدل میں پھنس رہے ہیں؟۔

دوسری جگہ انہوں نے ایک مستقل فصل قائم کر کے وضاحت فرمائی ہے کہ محدثین، فقہاء ومجتہدین، قراء ومفسرین نحو وصرف اور ادب عربی کے ماہرین، صوفیاء زاہدین، غُزاۃ ومجاہدین اور متکلمین نیز ان کے ساتھ عوام مخلصین (جو اجمالی صحتِ اعتقاد کے ساتھ ان علماءِ اہل سنت پر کامل اعتماد کئے ہوتے ہیں) یہ آٹھ اصناف مسلمین اہل السنۃ والجماعت میں شامل ہیں، بشرطیکہ مذکورہ بالا بنیادی عقائد میں وہ کتاب وسنت اور اجماعِ امت سے کہیں منحرف نہ ہوں۔ (ایضاً: ۲۷۶ تا ۲۷۸)

ایک اور جگہ انہوں نے اس شرف پر فخر کیا ہے کہ بفضلہٖ تعالیٰ ان تمام شعبہائے علم میں سوائے اہل السنۃ والجماعت کے علماء کے کسی کی خدمات نظر نہیں آتیں، علما کے انہیں اصنافِ ہشتگانہ نے ہر زمانے میں دین اور علم دین کے تحفظ کا فریضہ بحسن وخوبی انجام دیا ہے، اگرچہ ان کے درمیان فروعی مسائل میں معمولی اختلافات موجود ہوتے ہیں مگر اصول میں سب کے سب متفق اور متحد رہتے ہیں۔ (ایضاً)

اس کے باوجود تعجب ہے کہ اس زمانے میں جتنے فرقے وجود میں آتے جا رہے ہیں وہ سب امت کے اسی سوادِ اعظم کو گمراہ بتانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں جن کی حقانیت پر سلف وخلف کے علماء کا اجماع ہو چکا ہے۔

آٹھویں بات یہ ہے کہ: حدیث میں جو امت کے تہتر فرقوں میں بٹ جانے کا تذکرہ ہے تو یہ کوئی ضروری

نہیں کہ تہتر ہی فرقے ہوں، اس سے زائد نہیں، اس لئے کہ فرقہائے اسلامیہ کو اگر ہم شمار کریں تو وہ کئی سو ملیں گے، معلوم ہوا کہ حدیث میں تہتر سے عدد کا حصر مراد نہیں ہے بلکہ کثرتِ افتراق کی نشان دہی کرنا مراد ہے، یا پھر یوں کہا جاسکتا ہے کہ اصولی طور پر تو اتنے ہی فرقے ہوں مگر ضمنی وجزوی افتراق اس سے بھی زیادہ ہوسکتا ہے، اس سلسلے میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جہاں تک بہتر کے عدد کا معاملہ ہے تو وہ کثرتِ فِرق پر محمول کیا جائے گا، اس لئے کہ جب ہم فِرقہائے باطلہ پر نظر کرتے ہیں تو یقیناً وہ سینکڑوں تک پہونچ جاتے ہیں، ہاں اگر صرف اصولی اور مرکزی فرقوں کو دیکھیں تو پھر بہتر کے عدد کو تحدید کے لئے ماننا ممکن ہے، اس لئے کہ اصولی فرقے ذیلی شاخوں سمیت بہتر سے کچھ زیادہ نہ ہوں گے، اسی تعداد کے مطابق رہیں گے؛ پھر بھی عدد کی زیادہ بہتر توجیہ یہ کی جاسکتی ہے کہ فرقہائے باطلہ کم از کم اس تعداد تک تو ہو ہی جائیں گے، اس سے کم نہیں، البتہ اس سے بھی بڑھ جائیں تو یہ بھی ممکن ہے''۔

(بذل المجهود: ۱۳/ ۶)

یہ تو اسلام میں فرقوں کی حقیقت اور ان کی نوعیت پر کلام تھا یا سمجھئے کہ حدیثِ افتراق کی کچھ توضیح وتشریح تھی اب نفسِ موضوع کی طرف آیئے کہ ان کی پہچان اور ان سے بچنے کی تدبیر کیا ہے؟

پہچان کے متعلق تو میں عرض کر چکا ہوں کہ ان سب کی پہچان متعین کرنے کے بجائے صرف فرقۂ ناجیہ کو پہچان لینا کافی بھی ہے آسان بھی ہے، یہی صورت صحابہ کرامؓ کی سلامتیٔ طبع نے اختیار کی ہے، اور صحابہؓ سے بہتر راستہ ہم سوچ بھی کیا سکتے ہیں؟ یوں بھی دیکھا جائے تو فرقِ باطلہ کوئی ایک دو تو ہیں نہیں، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اصول کی تعداد بہتّر بتلائی ہے اور ہر ایک کے دعاوی ومزعومات جداگانہ ہیں تو آخر پہچان کے کتنے پیمانے اور معیارات بنائے جاسکتے ہیں؟ غالباً اسی وجہ سے اس سلسلہ میں لکھی گئی قدیم وجدید تمام کتابوں میں اگرچہ ان کے مزعومات ونظریات کی کچھ نشان دہی کی گئی ہے لیکن ان کو پرکھنے اور پہچاننے کے لئے کوئی متعین اصول نہیں بتایا گیا ہے۔ شہرستانیؒ کہتے ہیں:

''میں نے ان مصنفین میں کسی کے ہاں بھی اس سلسلے میں کوئی ضابطہ مقررہ نہیں پایا، سوائے اس کے کہ وہ لوگ غیر متعین طور پر ان مذاہب کے نظریات وخیالات جس طرح بھی انہیں مل سکے ــــ بغیر کسی خاص ترتیب واصول کے ــــ جمع کرتے چلے گئے ہیں''۔ (الملل والنحل: ۱/ ۱۰)

اس تحقیق کے بعد خود انہوں نے کوشش کی ہے کہ ان کے پہچاننے کا کوئی ضابطہ مقرر کرلیں مگر اس میں وہ بھی کچھ زیادہ کامیاب نظر نہیں آتے، البتہ انہوں نے تمام فرقوں کو ان چار اصولوں میں تقسیم کردیا ہے، خوارج،

روافض، قدریہ، اور صفاتیہ؛ پھر اِن فرقوں کے نظریات کے قدرِ مشترک دو اسباب متعین کئے ہیں کہ یہ سب فرقے یا تو باری تعالیٰ کی ذات وصفات میں تقصیر اور کمی کرنے کی وجہ سے اہل سنت سے ہٹ گئے یا پھر مخلوق کے مرتبہ ومقام میں توفیر واضافہ کرکے انہیں باری تعالیٰ سے تشبیہ دینے کی وجہ سے راہِ حق سے گمراہ ہوگئے۔ (ایضاً) یعنی دین کے اصول میں افراط وتفریط ان کے نزدیک تمام گمراہیوں کا قدرِ مشترک ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ فرقوں کی پہچان کے لئے کوئی ضابطہ واصول مقرر کرنا بہت مشکل ہے، اس لئے بہتر ہے کہ ہم انہیں چھوڑ کر "فرقۂ ناجیہ" کو پہچاننے کی کوشش کریں، دیکھا جائے تو سلامتی کا بھی یہی راستہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی صرف فرقۂ ناجیہ کی علامت بتلانے کو کافی سمجھا، اور واقعہ بھی یہی ہے کہ اسی کا پہچان لینا گمراہ فرقوں کو پہچاننے کا سب سے مضبوط اور سب سے آسان طریقہ ہے، اس لئے سب سے پہلے ہم اسی طبقے کا مختصر تعارف کراتے ہیں۔

جہنم سے نجات پانے اور مغفرت ورضوان کا مقام جیتنے والا فرقہ وہ ہے جو ماانا علیہ واصحابی کا مصداق ہو، یعنی جس عقیدہ وعمل اور اخلاق پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے صحابہ کرامؓ تھے جو جماعت بھی اس عقیدہ عمل اور اخلاق پر ہوگی وہ ناجیہ ہے جو اس کے خلاف ہوگی اور جس قدر خلاف ہوگی اسی قدر ناریہ کہلائے گی؛ اس پہچان کو سامنے رکھ کر جب ہم فرقہائے اسلام پر نظر ڈالتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے اس معیار ومحک پر مسلمانوں کی جو جماعت پوری اُترتی ہوئی نظر آتی ہے وہ "اہل السنۃ والجماعۃ" ہے، اب یہ سوال کہ "اہل السنۃ والجماعۃ" کس کو کہتے ہیں؟ تو اس کی توضیح امام ابن تیمیہؒ نے اس طرح کی ہے:

(اس نام میں) "السنۃ نصوص کو اور الجماعۃ اجماع کو شامل کئے ہوئے ہے، پس مطلب یہ ہوا کہ اہل السنۃ والجماعت وہ طبقۂ مسلمین ہے جو نص (یعنی کتاب وسنت) اور اجماع دونوں کو (حجت مانتا اور ان کی) اتباع کرتا ہے۔" (منہاج السنۃ ۳/ ۲۷۲)

یہی بات مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس طرح بیان فرمائی ہے: "نجات پانے والا فرقہ وہ ہے جو اپنے عقیدہ وعمل میں کتاب وسنت اور صحابہؓ وتابعینؒ کے اجماع کو اختیار کرتا ہے، اور گمراہ فرقوں کی پہچان یہ ہے کہ وہ عقیدہ یا عمل میں سلف صالحین کی پیروی سے انحراف کرتے ہیں۔" (حجۃ اللہ البالغۃ: ۱/ ۱۷۰)

جب فرقۂ حقہ ناجیہ کی تعیین ہوگئی ــــ کہ وہ کتاب وسنت اور اجماع امت کی حجیت کا قائل اور عقیدہ وعمل میں اسی پر عامل رہنے والے فرقہ کا نام ہے تو فرقِ ضالّہ وباطلہ بھی خود بخود منظر عام پر آگئے کہ جن کا طریق اور راستہ اہل السنۃ والجماعۃ کے مغائر ہوگا وہ سب ناری وگمراہ کہلائیں گے ــــ پس جو لوگ صرف قرآن کو حجت

مانتے ہیں حدیث واجماع کا انکار کرتے ہیں یا قرآن وسنت دونوں کو حجت مانتے ہیں مگر اجماع کے منکر ہیں یہ سب گمراہ فرقے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ بعض کی گمراہی اور انحراف نے انہیں اسلام سے خارج کر کے کفر تک پہونچا دیا ہے، جیسے شیعہ غالیہ امامیہ، مہدویہ، قادیانیہ، منکرینِ حدیث پرویزیہ، شکیلیہ، فیّاضیہ، صدیق بسویشوری وغیرہ، اور بعض کی گمراہی نے انہیں صرف فرقۂ ناجیہ سے خارج کر کے ناریہ بنا دیا ہے، جیسے اکثر خوارج، بعضے روافض، اباضیہ، غُلاۃ بریلویہ، متشدد سلفیہ وغیرہ؛ ان میں سے ہر ایک کے انحراف واعراض کی تفصیل بیان کرنے بلکہ اشارات پیش کرنے کی بھی اس مختصر مضمون میں گنجائش نہیں ہے البتہ ان کے مزعومات ونظریات کی روشنی میں اس انحراف کی چند علامات ذیل میں درج کی جارہی ہیں۔

(۱) قرآن کریم کو تو سب ہی فرقے حجت اور دلیل شرعی مانتے ہیں، فرق یہ ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ اس کی تشریح وتفسیر اور معانی کی تعیین میں رائے کو دخل دینا حرام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اصحاب وتابعین کی تحقیق سے مدد لینا ضروری سمجھتے ہیں، اس سلسلے میں صحابہؓ سے لے کر اب تک تمام اہل سنت کا موقف مضبوط اور متواتر ہے؛ لیکن اہل السنۃ والجماعت کے برخلاف جتنے فرقے ہیں وہ قرآن کریم کی تفسیر بالرّائے کو جائز سمجھتے ہیں بل کہ اسی کے نتیجے میں وجود میں آئے ہیں اور آتے رہتے ہیں، سب سے پہلا فرقہ خوارج کا ہے جس کی بنیاد ہی آیاتِ قرآنیہ کے مفہوم میں حضرات صحابہؓ پر اعتماد کے بجائے اپنی عقلوں پر اعتماد کرنے پر ہے۔

(۲) اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک قرآن کریم کے بعد دین میں دوسری حجت حدیثِ رسول ہے، جو لوگ احادیث شریفہ کو حجت نہیں مانتے ان کا تو ذکر ہی کیا ہے ان کا کافر ہونا اظہر من الشّمس ہے، جو گم راہ لوگ حدیث کو بھی حجت تسلیم کرتے ہیں ان میں اور اہل سنت میں فرق یہ ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ احادیثِ شریفہ کو صحتِ نقل اور استقرارِ عمل یعنی سنیت کا اطمینان ہونے کے بعد اختیار کرتے ہیں اور گمراہ فرقوں میں سے بعض صحت نقل کا اطمینان کرنے کو ضروری نہیں سمجھتے بعض محض صحت نقل کو کافی سمجھتے ہیں استقرارِ عمل کی تحقیق نہیں کرتے۔

(۳) اہل السنۃ والجماعت صحابہ کرامؓ کو حجتِ شرعیہ تسلیم کرتے ہیں، صحابہ کرامؓ بالخصوص خلفائے راشدین کے دین ودیانت اور فہم شریعت پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اظہارِ اعتماد واطمینان کی وجہ سے ان پر مکمل بھروسہ رکھتے ہیں، اور یقین رکھتے ہیں کہ مسلمانوں کا یہ مقدس ومحترم گروہ ایسا ہے کہ ان کے افراد سے تو دین میں کوئی اجتہادی خطا تو ہوسکتی ہے مگر ان کی جماعت غلطی پر کبھی اکھٹی نہیں ہوسکتی، اس لئے کتاب وسنت کی تشریح اور عملی تصویر میں ان سے زیادہ کسی پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا؛ اہل السنۃ والجماعۃ کے

برخلاف اکثر کیا تمام ہی گمراہ فرقوں کا اس پر اجماع ہے کہ صحابہ کرامؓ حجتِ شرعیہ نہیں ہیں؛ ان میں سے بعض تو ان کی تکفیر کو اور بعض تفسیق وتضلیل کو جائز سمجھتے ہیں، اور تنقید کرنے اور ھم رجال ونحن رجال کہنے والوں کی تو خیر کوئی کمی نہیں ہے؛ اس سلسلے میں اگر کوئی کم سے کم بات کہتا ہے تو وہ یہ کہ صحابہ اگر چہ اچھے لوگ تھے مگر ہمیں قرآن وحدیث کے ہوتے ہوئے ان کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ وغیرہ

جب کہ صحابہ کرامؓ خود اس بات کو ضروری سمجھتے تھے کہ فہم دین یعنی کتاب وسنت کے مدلول ومطلوب کو سمجھنے کے سلسلے میں صحابہؓ پر ہی اعتماد کیا جانا چاہئے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا یہ خطاب علماء میں بہت معروف ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''تم میں سے جس کو کسی کی اقتدا کرنا ہو تو وہ حضرت محمد ﷺ کے اصحاب ہی کی اقتدا کرے، کیوں کہ وہ نیک دلی میں سب سے بڑھ کر، علم وآگہی میں سب سے گہرے، نہایت بے تکلف، مضبوط اخلاق اور بہتر حالت والے لوگ تھے، اللہ پاک نے انہیں اپنے نبی کی صحبت اور دین کی اقامت کے لئے خود منتخب کیا تھا، پس تم ان کے مرتبے کی بلندی کو پہچانو اور انہی کے نقشِ قدم پر چلو، کیوں کہ وہی سیدھے اور صاف راستے پر ہیں''

(مشکوٰۃ المصابیح)

صحابہؓ کی طرح ٹھیک یہی خیال تابعینؒ کا تھا، امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں:

''صحابہ کرامؓ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی رفاقت کے لئے پسند فرمایا تھا، وہ لوگ آپ ﷺ کے اخلاق اور آپ کے طریقوں سے مشابہت پیدا کرنے کی سعی میں ہر وقت لگے رہتے تھے، ان کو اگر کوئی دُھن تھی تو اسی کی تھی اور کوئی تلاش تھی تو اسی کی تلاش تھی، قسم ہے کعبے کے رب کی یہی جماعت صحیح معنوں میں صراط مستقیم پر گامزن تھی''

مشہور فقیہ ومحدث امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں:

''علم وہی ہے جو اصحابِ رسول سے منقول ہے اور جو ان سے منقول نہیں وہ علم کہلانے کے قابل نہیں''

امام محمد ابن سیرینؒ سے حج کا ایک مسئلہ دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا:

''حج میں اس کام کو حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے ناپسند فرمایا ہے، اگر یہ علم ہے (یعنی نبی کا فرمان ہے) تو وہ لوگ مجھ سے زیادہ علم رکھنے والے ہیں، اور اگر ان کی رائے ہے تو ان کی رائے میری رائے سے بہتر اور افضل ہے''

امام مالکؒ ایک مرتبہ بہت غمگین تھے، کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا: ''میں دیکھ رہا ہوں کہ دین کی

باتیں بے علموں سے پوچھی جانے لگی ہیں، جب کہ یہ گم راہی کا پیش خیمہ ہے''۔

مذکورہ بالا اقتباسات مولانا بدر عالم میرٹھیؒ نے ''الاعتصام'' وغیرہ کے حوالے سے اپنی کتاب ''ترجمان السنۃ'' میں نقل فرمائے ہیں، نیز حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے درمیان ایک سوال وجواب کا ذکر بھی فرمایا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب ان سے پوچھا کہ جب اس امت کا نبی ایک، قبلہ ایک، کتاب ایک، تو پھر اس میں اختلاف کیوں کر پیدا ہوجائے گا؟ حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا:

''ہم لوگ چوں کہ قرآن کے اسبابِ نزول اور احکام کے موارد ومواقع کو اچھی طرح جانتے ہیں اس لئے اس کے سمجھنے میں ہمیں کوئی پریشانی نہیں ہوتی مگر بعد میں آنے والے لوگ صرف قرآن کو پڑھیں گے اور اس کے نزول کے اسباب ووجوہ سے واقفیت کی پروانہیں کریں گے تو رائے زنی اور اٹکل سے کام لیں گے، پھر اس طرح اختلاف وافتراق کے شکار ہوجائیں گے''

آگے مولانا میرٹھیؒ فرماتے ہیں:

''سلف کی یہ دقّتِ نظر قابلِ داد ہے جنہیں ہر دینی معاملے میں سب سے پہلے یہی تلاش رہا کرتی تھی کہ اس مسئلے میں صحابہ کرامؓ کا طریقہ کیا تھا، اور جب ان کو صحابہ کی کوئی رائے معلوم ہوجاتی تو اسی کو اپنے لئے اسوہ بنالیتے تھے اور اگر اس میں صحابہؓ کا اختلاف دیکھتے تو انہی کی آراء میں سے کسی رائے کا اتباع کرلیتے مگر اِن کی آراء سے باہر قدم نکالنا ضلالت وگمراہی تصور کرتے تھے۔ (ترجمان السنۃ: ۱/ ۴۴)[1]

خلاصہ ہماری پوری گفتگو کا یہ ہے کہ تمام گمراہیوں کی اصل علم کا اس کے ماہرین سے حاصل کرنے کے بجائے شخصی مطالعے سے حاصل کرلینا ہے، یہ شخصی مطالعہ اور شخصی فیصلہ تمام گمراہیوں کی جڑ ہے، اس کے مقابلے میں سلف پر اعتماد اور ان کی تحقیقات سے استفادہ نیز علماء اہل السنۃ والجماعۃ کے دائرہ وحدود میں محدود رہنا اور جن کا علم سلف کے علم سے ماخوذ نہ ہو اور جن کی تحقیقات خیر القرون سے متوارث ومتواتر نہ ہوں ان کے علوم اور تحقیقات سے خود کو دور رکھنا ہدایت واستقامت کا وسیلہ ہے۔ جتنے گمراہ فرقے صدر اول سے آج تک آپ کو ملیں گے اور جتنے اور پیدا ہوتے جائیں گے سب کا بنیادی روگ یہی ہے کہ وہ قرآن وحدیث کی فہم کے سلسلہ میں سلف پر اعتماد نہیں کرتے، ان کی معلومات یا شخصی مطالعہ کا نتیجہ ہوتی ہیں یا پھر شخصی مطالعہ رکھنے والوں کی

---

[1] میں اہل علم سے خواہش کروں گا کہ ص: ۲۱ تا ۹۱ جملہ ۷۰ صفحات پر مشتمل مولانا بدر عالم میرٹھیؒ کی اس تحقیق کو ضرور مطالعہ کریں، اس سے فکر ونظر کی بہت سی گتھیاں سلجھیں گی اور مسلک کے سلسلہ میں گہری بصیرت ومعرفت نصیب ہوگی انشاء اللہ۔

طرف میلان رکھنے اور ان سے متاثر ہونے کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ اسلام میں پہلے باقاعدہ وجود میں آنے والے فرقے خوارج اور روافض کے ہیں، اول الذکر عقل محض کے چکر میں دوسرا ہوائے نفس کے جال میں پھنس کر خود تباہ ہوا اور ایک گروہ کو تباہ کر گیا بلکہ اُن کے بعد سے آج تک ہر فرقے اور ہر باطل نظریئے کے تانے بانے انہی کے خیالات ونظریات سے جا کر ملتے ہیں۔ ان فرقوں کے وجود میں آنے کا سبب صحابہ کرامؓ کے علم پر اعتماد کے بجائے اپنی عقلوں پر اعتماد کر لینا تھا، چنانچہ خوارج کے استدلالات اگرچہ قرآن کریم ہی کے حوالہ سے ہوا کرتے تھے مگر ان کے مفہوم ومدلول ان کی عقلوں کی پیداوار ہوتے تھے، صحابہ سے منقول نہیں تھے بل کہ شروع میں جب صحابیٔ رسول حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے کتاب وسنت کی روشنی میں ان کے مزعومات کی مضبوط تردید کی بلکہ انہیں قائل ہونے پر مجبور کر دیا تو قائل ہوجانے کے بعد بھی وہ اپنی مزعومات پر جمے رہے اور گمراہ کہلائے، حضرت علیؓ نے ایک جملے میں ان کا بھرم کھول دیا کلمۃُ حقٍ اُرید بھا الباطلُ، یعنی آیتِ قرآنی تو بالکل برحق ہے لیکن اس کا جو مفہوم صحابہؓ سے ہٹ کر انہوں نے نکالا ہے وہ قطعی باطل ہے۔ اس کے بعد سے آج تک کی تمام گمراہ جماعتوں کا طریق استدلال ٹھیک وہی ہے جو اس پہلے گمراہ گروہ کا تھا۔ اعاذنا اللہ منہ

پس اگر مسلمانوں کو گمراہ لوگوں اور ان کی دعوت وپکار سے بچنا ہے تو مذکورہ بالا کسوٹی پر انہیں پرکھ کر دیکھیں، اگر وہ اس پر پورے اتریں تو قطعی طور پر طئے کر لیں کہ اہل سنت والجماعت میں شامل ہیں اور اگر اس پر پورے نہ اتر سکیں تو اہل السنۃ والجماعت سے خارج ہیں، ان سے، ان کی کتب سے، اور اُن کے دُعاۃ سے، سب سے احتراز واحتیاط کو اپنے دین کی سلامتی کے لئے لازمی اور ضروری سمجھیں۔ اس ظاہری تدبیر کے علاوہ جو اہم تدبیر ہے وہ ہدایت کے مالک ومختار حق سبحانہ وتقدس سے صراطِ مستقیم پر استقامت اور گمراہی سے حفاظت کی دعا مانگتے رہنا ہے۔

اللّٰھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ

گوشۂ سیرت

میرا اُسوہ تمہارے لئے کافی نہیں!

از: مرتب

حضرت عبید بن خالدؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں مدینہ کی کسی گلی سے جارہا تھا کہ اچانک کسی نے پیچھے سے آواز دی کہ اپنی تہبند (لنگی) اوپر اُٹھالو، اس لئے کہ اس سے ظاہری نجاست اور باطنی تکبر وغرور سے طہارت حاصل ہوتی ہے، میں پیچھے مڑکر دیکھا تو وہ رسول اللہ ﷺ تھے، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ تو معمولی سی چادر ہے، (اس میں تکبر اور غرور کی کیا بات ہوسکتی ہے) آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے لئے میرا اُسوہ کافی نہیں ہے؟ میں نے جب آپ کی ازار پر نظر ڈالی دیکھا کہ وہ نصف پنڈلی تک تھی۔

رازدارِ رسول ﷺ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنی پنڈلی کے گوشت پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ تہبند کا کنارہ یہاں تک ہونا چاہیئے، اگر تم یہاں تک نہیں رکھنا چاہتے تو کچھ نیچے کرلو، لیکن تہبند ٹخنوں کو بالکل نہ چھپائے۔ (شمائل ترمذی: باب ماجاء فی صفۃ ازار رسول اللہ ﷺ)

فوائد: (۱) مربی کو اپنے ماتحتوں کے مُنکرات پر نکیر کرنا چاہیئے، (۲) نکیر پر سامنے والا کوئی جواب دے تو اپنی اَنا اور بڑائی کا مسئلہ بنائے بغیر صبر وتحمل کے ساتھ اُسے اُسوۂ رسول ﷺ کو اپنانے کی تعلیم وترغیب دینا، (۳) ناصح کو خود باعمل ہونا چاہیئے، (۴) مرد حضرات اپنے ٹخنے کھلے رکھیں، پائجامہ، پینٹ، تہبند، اور جبہ وغیرہ سے اپنے ٹخنے نہ چھپائیں، (۵) کپڑوں کو صاف ستھرا رکھنے کا اہتمام کریں، اُس کی حفاظت کریں اور زیادہ میلا ہونے، پھٹنے سے بچائے رکھیں، لاپروائی نہ برتیں کہ کپڑے خراب ہوجائیں۔ (۶) علماء وشارحینِ حدیث نے صراحت فرمائی ہے کہ نصف پنڈلی تک پائجامہ رکھنا سنتِ رسول ﷺ ہے، اس سے نیچے کرنا مباح ہے، اور کپڑا ٹخنوں تک پہنچ جائے یہ مکروہ تنزیہی ہے، اور ٹخنوں سے نیچے کردینا ہے مکروہِ تحریمی ہے۔ (۷) ٹخنے ہر حال میں کھلے رکھیں، نہ اوقاتِ صلوٰۃ کی کوئی قید ہے نہ تکبر وگھمنڈ کی کوئی شرط، (۸) ٹخنے کھلے رکھنے کا حکم صرف مردوں کے لئے ہے۔ (۹) عورتوں کو حکم یہ ہے کہ وہ ٹخنے چھپائے رکھیں، لیکن اپنی شلوار اور برقعے پیروں کے نیچے تک لمبے نہ رکھیں، یہ طہارت ونظافت اور شرع کے بھی خلاف ہے۔

* استاذ شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا

گوشہ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

حضرت سہلہ بنت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہا

از: مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی*

حضرت سہلہ رضی اللہ عنہا نہایت عظیم المرتبت صحابیہ شمار ہوتی ہیں، ان کا تعلق قریش کے خاندان بنی عامر بن لوی سے تھا، ان کا نسب نامہ کچھ اس طرح ہے: سہلہ بنت سہیل بن عمرو بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی۔ والدہ فاطمہ بنت عبد العزی بھی اسی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔

(الطبقات الکبری لابن سعد: ۸/ ۲۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

قبول اسلام

حضرت سہلہ کے والد محترم سہیل رضی اللہ عنہ قریش کے عظیم سردار تھے، اپنی طلاقت لسانی، خوش بیانی کی وجہ سے ''خطیب قریش'' کے نام سے معروف تھے، وہ اپنی فصاحت و بلاغت، زور بیانی اور پرزور تقریروں کی وجہ سے بڑے بڑے مجمعوں کو ہلا دیتے تھے، جس قدر سہیل اسلام مخالف سرگرمیوں میں مبتلا تھے، اسی قدر ان کی اولاد اسلام کی شیدا اور فریفتہ تھیں، چنانچہ سہیل کے دونوں بیٹے حضرت عبد اللہ اور ابو جندل عاص رضی اللہ عنہ اور دو بیٹیاں سہلہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہما یہ ان سعادت مند اور خوش بخت لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد ابتدائے دعوت اسلام کے زمانے میں ہی قبول اسلام کیا تھا۔

شادی

حضرت سہلہ رضی اللہ عنہا کی شادی قریش کے عظیم سردار عتبہ بن ربیعہ فرزند ابو حذیفہ ہیثم رضی اللہ عنہ سے ہوئی، خود حذیفہؓ بھی قبول اسلام کے سلسلہ میں سابقین اولین میں شامل تھے، دونوں میاں بیوں کا تعلق قریش کے بااثر خاندانوں میں سے تھا، لیکن اس کے باوجود کفار کے دست ظلم وستم سے محفوظ نہ رہ سکے، چنانچہ قریش کے ظلم واستبداد سے تنگ آ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اشارے سے ۵ سن ہجری میں حبش کی ہجرت کی،

* ادارہ علم وعرفان، حیدرآباد، واستاذ حدیث دار العلوم دیوبند

ابھی ان کے قیام کے دو یا تین مہینے ہی ہوئے تھے کہ انھیں یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کفار قریش کے ساتھ صلح اور معاہدہ ہو چکا ہے، یہ خبر پہنچتے ہی دیگر مہاجرین حبشہ کے ساتھ یہ دونوں میاں بیوں نے بھی عازم مکہ ہو گئے، ابھی مکہ کے راستے میں ہی تھے کہ انہیں پتہ چلا کہ معاہدہ کی اطلاع غلط ہے، لیکن انہوں نے واپس حبشہ جانا مناسب نہ سمجھا اور امیہ بن خلف کی حمایت حاصل کر کے مکہ میں داخل ہوئے۔

علامہ طبری کے بیان کے مطابق مکہ واپسی کے بعد حضرت سہلہ اور حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہما ہجرت مدینہ تک مکہ میں ہی مقیم رہے، لیکن ابن اسحاق اور بعض دوسرے اہل سیر نے یہ لکھا ہے سنہ ۶ ہجری میں دوبارہ حبشہ کی طرف انہوں نے ہجرت کی، جہاں ان کے فرزند محمد بن ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوا۔

ہجرت مدینہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت مدینہ سے قبل ۳۳ مرد اور آٹھ عورتوں پر مشتمل ایک وفد حبشہ سے مکہ واپس آیا، جس میں حضرت سہلہؓ اور ان کے شوہر اور فرزند بھی شامل تھے، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اجازت مرحمت فرمائی تو حضرت سہلہؓ، ان کے شوہر اور فرزند نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت سالمؓ کے ساتھ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے اور ساری زندگی اور حیات مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں گذارا۔

حضرت سالمؓ جو مولی ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ کے نام سے معروف ہیں، اصل میں حضرت ابوحذیفہؓ کی ایک دوسری بیوی حضرت ثبیتہ بنت یعار انصاریہؓ کے غلام تھے، انہوں نے آزاد کر دیا، تو حضرت ابوحذیفہؓ نے ان کو اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا اور وہ لوگوں میں سالم بن ابوحذیفہ کے نام سے معروف ہوئے؛ لیکن جب یہ حکم نازل ہوا کہ ''ادعوھم لآبائھم'' (یعنی لوگوں کو اپنے باپوں کی نسبت سے پکارو) تو لوگ حضرت سالمؓ کو سالم مولی ابی حذیفہ کہنے لگے۔ (صحیح البخاری، باب الأکفاء فی الدین، حدیث: ۵۰۸۸)

ابوداؤد کی روایت کے مطابق جب یہ حکم نازل ہوا تو حضرت ابوحذیفہؓ کو حضرت سالمؓ کی آمد و رفت ناگوار گزرنے لگی، چنانچہ حضرت سہلہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خدمت مبارک میں حاضر ہوئیں اور عرض گذار ہوئیں: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! سالم کو ہم اپنا بیٹا سمجھتے تھے اور وہ بچپن سے ہمارے گھر میں آتا جاتا تھا؛ لیکن اب ابوحذیفہؓ کو اس کا ہمارے میں گھر میں داخل ہونا ناگوار گزرتا ہے''۔ ''یا رسول اللہ إنا کنا نری سالما ولدا''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً عرض کیا: اس کو اپنا دودھ پلاؤ تو وہ تمہارا محرم بن جائے گا، اس طرح

حضرت سالم رضی اللہ عنہ، حضرت ابوحذیفہؓ اور حضرت سہلہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی فرزند ہو گئے۔

(ابوداؤد: باب فیمن حرم بہ، حدیث: ۲۰۶۱)

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ جوانی کی حالت میں دودھ پینے میں حرمت رضاعت کا ثبوت صرف حضرت سالم رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص تھا۔ ''إنما هذه رخصة من رسول الله ﷺ لسهلة بنت سهيل''۔ (الطبقات الکبری لابن سعد: ۸/ ۲۷۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ''یمامہ'' کی مشہور جنگ میں شہادت پائی، ان کی شہادت کے کچھ عرصہ بعد حضرت سہلہ رضی اللہ عنہا نے عبداللہ بن اسودؓ سے نکاح کیا، جن سے سلیط بن عبداللہ کی پیدائش ہوئی، پھر اس کے بعد شماخ بن سعید نے نکاح کیا جن سے عامر بن شماخ کی ولادت ہوئی، پھر اس کے بعد ان کا نکاح حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے ہوا، ان سے سالم بن عبدالرحمن کی ولادت ہوئی۔ (الطبقات الکبری لابن سعد: ۸/ ۲۱۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

وفات: وفات کے احوال سیر و تاریخ کی کتابوں میں درج نہیں۔

ماہنامہ اشرف الجرائد حیدرآباد

ایک عظیم اصلاحی و دعوتی تحریک کا نام ہے۔ آپ بھی اس میں شریک ہو جائیے اور اپنے دوست و احباب کو بھی اس کے پڑھنے کی ترغیب دیجئے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ

یہ ماہنامہ www.iauth.in پر بھی پڑھا جا سکتا ہے۔

تذکارِ صحابہؓ

حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ

مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی قاسمی*

حضرت خباب بن الارتؓ کا شمار نبی اکرم ﷺ کے ان مقرب ترین صحابہ میں ہوتا ہے؛ جنہوں نے پہلے پہل اسلام قبول کیا اور آپ ﷺ کی مدد و نصرت فرمائی، مؤرخین کے مطابق حضور اقدس ﷺ کے دستِ حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہونے والے نیک بخت اور خوش قسمت افراد میں آپؓ کا چھٹا نمبر ہے، اسی لئے "سادسُ الاسلام" کہلاتے ہیں، غزوۂ بدر و اُحد سمیت تمام ہی غزوات میں شریک رہے اور شجاعت و بہادری کے جوہر دکھلاتے رہے، آپؓ پر قبول حق کی پاداش میں ظلم و ستم کے جو پہاڑ توڑے گئے اور ابتلا و آزمائش کی جس راہ سے گزارا گیا وہ تاریخِ اسلام کی کرب ناک داستان اور حضرات صحابہؓ کی استقامت و اولوالعزمی کا روشن باب ہے۔

مختصر حالات قبل از اسلام:

مکہ کی ام انمار خزاعیہ نامی عورت مکہ معظّمہ میں غلاموں کی منڈی میں گئی، وہ چاہتی تھی کہ ایک ایسا غلام خرید لائے جس سے وہ گھریلو خدمت بھی لے اور اسے کوئی کاروبار بھی سکھلائے جو اس کے لیے مالی طور پر مفید اور نفع بخش ثابت ہو، وہ ان غلاموں کو بہ غور دیکھنے لگی جنہیں بیچنے کے لئے منڈی میں لایا گیا تھا۔ اس کی نگاہ انتخاب ایک ایسے بچے پر پڑی جو صحت مند تھا اور ابھی سن بلوغ کو نہیں پہنچا تھا۔ شرافت کے آثار اس کے چہرے سے ہویدا تھے، اسے یہ ہونہار بچہ پسند آ گیا۔ قیمت ادا کی اور اپنے ساتھ لے کر گھر کی طرف روانہ ہوگئی۔ راستے میں ام انمار نے بچے سے پوچھا: اے لڑکے! تیرا نام کیا ہے؟ بتایا: خباب۔ اس نے پوچھا: تیرے باپ کا نام؟ بتایا: ارت۔ پوچھا: کہاں سے آئے ہو؟ بتایا: نجد سے۔ اس نے کہا: پھر تو تم عربی ہو؟ کہا: ہاں! میں عربی ہوں اور قبیلہ بنو تمیم سے تعلق رکھتا ہوں۔ ام انمار نے پوچھا: یہاں مکہ میں تم غلاموں کے سوداگروں کے ہاتھ کیسے لگ گئے؟ بتایا ہمارے محلہ میں ایک عرب قبیلے نے لوٹ مار کی۔ ہمارے مویشی ہانک کر لے گئے، عورتوں کو گرفتار کر لیا، بچوں کو بھی اپنے قبضے میں لے لیا، میں بھی ان بچوں میں شامل تھا، ہاتھوں ہاتھ بکتا ہوا یہاں پہنچا اور اب

* استاذ شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا

آپ کے قبضے میں ہوں۔

ام انمار نے اس لڑکے کو مکہ کے ایک مشہور کاریگر کے حوالے کیا تا کہ وہ اسے تلوار بنانا سکھا دے۔ آپؓ نے مختصر عرصے میں فن آہن گری وتلوار سازی میں مہارت حاصل کر لی۔ جب خباب ایک اچھے کاریگر بن گئے تو ام انمار نے ان کے لئے ایک دکان کرایہ پر لے لی اور اس میں کام کاج کے لئے بٹھا دیا؛ تا کہ اس فن سے مالی فوائد حاصل کر سکے۔ حضرت خبابؓ تھوڑے ہی عرصے میں اپنے فن میں ماہر ہو گئے۔ لوگ آپؓ کے ہاتھ کی بنی ہوئی تلواریں بڑے شوق سے خریدنے لگے اس لئے کہ آپؓ خوش اخلاق، نرم خو، شیریں گفتار ہونے کے ساتھ ساتھ تلوار بہت مضبوط، نفیس اور اعلیٰ قسم کی بناتے تھے۔

فکرِ ہدایت اور قبول حق:

حضرت خبابؓ نوعمری کے باوجود بڑے زیرک، معاملہ فہم اور دانش مند تھے جب وہ اپنے کام سے فارغ ہوتے تو اکثر جاہلیت سے معمور عرب معاشرے کی حالت زار پر غور وخوض کیا کرتے جو پاؤں کے تلووں سے لے کر سر کی چوٹی تک شر وفساد میں غرق تھا، عرب معاشرے کی جہالت، گمراہی، انارکی اور ظلم وستم دیکھ کر ان کا دل دہل جاتا اور وہ اس احساس سے کانپ اٹھتے کہ میں بھی تو اسی معاشرے کا ایک فرد ہوں، اور اکثر کہا کرتے کہ اس شب تاریک کی کبھی سحر ہوگی یا نہیں؟ اُن کی یہ دلی تمنا تھی کہ مجھے عمر دراز ملے تا کہ میں اپنی آنکھوں سے اندھیرے کا انجام اور صبحِ نو کا دل آویز طلوع دیکھ سکوں۔

حضرت خبابؓ کو اس صبح نو کے لیے زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا، ایک روز انہیں یہ دل رُبا خبر ملی کہ بنو ہاشم کے ایک نوجوان حضرت محمد ﷺ نے نبوت کا اعلان کر دیا ہے اور وہ اپنے دہن مبارک سے نکلنے والے نورانی کلمات کے ذریعے انسانی دلوں کو مسخر کر رہے ہیں۔ یہ خبر سنتے ہی خبابؓ بھی آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، دل پذیر، نصیحت آموز اور نورانی کلمات سنتے ہی یوں محسوس ہوا کہ آپ کے دہنِ مبارک سے موتیوں کی لڑیاں یا مصری کی ڈلیاں گر رہی ہیں، آپ کی باتوں نے ان کے دل پر ایسا اثر کیا کہ فوراً اپنا ہاتھ بڑھایا، آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور زبان سے پکار اٹھے: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

آزمائشوں کی بھٹی میں:

حضرت خبابؓ نے اپنے اسلام لانے کو کسی سے چھپایا نہیں۔ یہ خبر ان کی مالکہ ام انمار کو جب ملی تو وہ غصے سے بھڑک اٹھی، اپنے بھائی سباع بن عبد العزی کو ہمراہ لیا اور بنو خزاعہ کے نوجوانوں سے ملاقات کی۔ انہیں

صورت حال سے آگاہ کیا اور حضرت خبابؓ کے مسلمان ہونے کی خبر دی اور ان کے خلاف نوجوانوں کو بھڑکایا۔ پھر یہ سب مل کر حضرت خبابؓ کے پاس گئے کیا دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے کام میں منہمک ہیں۔ ام انمار کا بھائی سباع آگے بڑھا اور کہا۔ اے خباب! ہمیں ایک ایسی خبر ملی ہے کہ ہمارے دل اسے صحیح نہیں مانتے۔ حضرت خبابؓ نے پوچھا: کونسی خبر؟ سباع نے کہا یہ خبر مشہور ہو چکی ہے کہ تم بے دین ہو گئے ہو اور تم نے بنو ہاشم کے لڑکے کا دین اختیار کر لیا ہے۔ حضرت خبابؓ نے یہ بات سن کر بڑے ہی نرم لہجے میں ارشاد فرمایا: میں بے دین نہیں ہوا میں تو اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ پر ایمان لایا ہوں، میں نے تمہارے بتوں کو پھینک دیا ہے اور میں نے یہ اقرار کر لیا ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ حضرت خبابؓ کے منہ سے یہ کلمات نکلے ہی تھے کہ سب آپؓ پر ٹوٹ پڑے، گھونسوں، جوتوں، لوہے کی سلاخوں اور ہتھوڑوں سے آپ کو اتنا مارا کہ آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے اور آپ کے جسم کے مختلف حصوں سے خون کے فوارے پھوٹنے لگے۔

حضرت خبابؓ اور ام انمار کے مابین پیش آنے والے اس واقعے کی خبر مکہ میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ لوگ حضرت خبابؓ کی جرأت سے ورطہ حیرت میں پڑ گئے کیونکہ انہوں نے اس سے پہلے یہ سنا ہی نہ تھا کہ کسی نے حضرت محمد ﷺ کی اتباع کی ہو اور پھر لوگوں کے سامنے دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوری وضاحت سے اپنے اسلام لانے کا اعلان کیا ہو۔ قریش کے بوڑھے حضرت خبابؓ کے اس جرأت مندانہ اقدام پر انگشت بدنداں رہ گئے۔ انہوں نے دل میں سوچا، کیا ایک لوہار سے یہ توقع رکھی جا سکتی ہے کہ وہ اعلانیہ ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہے اور ہمارے آباؤ اجداد کے دین کو ہدف تنقید بنائے۔ انہیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ آج خباب نے جس دلیری و شجاعت کا مظاہرہ کیا ہے آگے چل کر اس میں مزید اضافہ ہوگا۔ قریش کا یہ اندیشہ درست ثابت ہوا، حضرت خبابؓ کی جراتِ مومنانہ نے بیشتر صحابہؓ کو اس بات پر برانگیختہ کیا کہ وہ بھی اس طرح اپنے اسلام لانے کا برملا اعلان کریں لہذا وہ یکے بعد دیگرے کلمہ کا ببانگ دہل اعلان کرنے لگے۔

ایک روز قریش کے سردار کعبہ کے نزدیک اکٹھا ہوئے ان میں ابوسفیان بن حرب، ولید بن مغیرہ اور ابوجہل بن ہشام کے علاوہ اور بھی سرکردہ افراد موجود تھے، وہ اس موضوع پر تبادلہ خیال کرنے لگے کہ حضرت محمد ﷺ کی دعوت دن بدن اور لحظہ بہ لحظہ پھیلتی جا رہی ہے۔ اس صورت حال کے پیش نظر انہوں نے پختہ ارادہ کیا کہ بیماری کو شدت اختیار کرنے سے پہلے ہی ختم کر دیا جائے اور انہوں نے یہ طے کیا کہ ہر قبیلہ اپنے اس فرد کو ایسی عبرتناک سزا دے جس نے حضرت محمد ﷺ کی غلامی اختیار کی ہے جس سے یا تو وہ اپنے آبائی دین کی طرف لوٹ آئے یا پھر مر جائے۔ اس فیصلے کی رو سے سباع بن عبدالعزی اور اس کے قبیلے کے حصے میں حضرت

خباب آئے۔ جب دوپہر کے وقت گرمی نقطۂ عروج پر ہوتی تو وہ حضرت خباب کو مکہ کے قریب چٹیل پتھریلے میدان میں لے جاتے ان کے کپڑے اتار دیتے، لوہے کی ذرہ پہنا دیتے، پینے کا پانی بند کر دیتے۔ جب پیاس اور تکلیف سے وہ نڈھال ہو جاتے تو یہ قریب آتے اور پوچھتے کہ اب حضرت محمد ﷺ کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ آپ فرماتے: وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، ہمارے پاس ہدایت وصداقت کا دین لے کر آئے ہیں؛ تاکہ ہمیں تاریکیوں سے نور کی طرف نکال لائیں۔ یہ سن کر وہ بپھر جاتے اور بے تحاشہ پٹائی شروع کر دیتے مار مار کر جب تھک جاتے تو پوچھتے لات وعزی کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ آپ فرماتے یہ دونوں گونگے بہرے بت ہیں نہ کسی کو نفع دے سکتے ہیں اور نہ ہی نقصان، یہ سن کر وہ آپے سے باہر ہو جاتے، گرم پتھر اٹھا کر لاتے اور آپ کی پیٹھ کے ساتھ لگائے رکھتے، پتھروں میں اس قدر تمازت ہوتی کہ ان کی گرمی سے حضرت خبابؓ کے کندھوں سے چربی اور خون بہنے لگتا۔

ام انمار بھی سخت گیری اور پتھر دلی میں اپنے بھائی سے کچھ کم نہ تھی۔ اس نے ایک روز حضرت محمد ﷺ کو اپنی دکان پر کھڑے حضرت خبابؓ سے باتیں کرتے دیکھ لیا تو غصے سے بھڑک اُٹھی۔ اس کے بعد اس نے اپنا یہ معمول بنالیا کہ ہر دوسرے تیسرے روز آتی، لوہے کی بھٹی سے گرم سلاخ نکالتی اور اس سے حضرت خبابؓ کے سر کو داغ دیتی جس سے آپ بے ہوش ہو جاتے اور آپ کی زبان سے ام نمار اور اس کے بھائی کے بارے میں بد دعا نکلتی۔ (ملخص از: حیات صحابہ کے درخشاں پہلو)

جب پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا:

نبی کریم ﷺ کے دورِ سعید میں اہلِ ایمان پر سخت ترین آزمائشیں آئیں۔ آنحضور ﷺ خود بھی انتہائی جاں گسل مرحلوں سے گزرے۔ ان سب کے باوجود صحابہؓ کے حوصلے ہمیشہ بلند رہے۔ آنحضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو سخت نامساعد حالات میں بھی بشارتیں سنائیں۔ صادق الایمان صحابہ کرامؓ اِن بشارتوں کو سچ جانتے رہے۔ ایک مرتبہ مکی دور میں حضرت خبابؓ بن ارت آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ اس وقت کعبے کی دیوار کے سایے میں تشریف فرما تھے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا حضرت خبابؓ کو آگ کے انگاروں پر لٹایا جاتا تھا کہ وہ ایمان سے برگشتہ ہو جائیں؛ مگر وہ اپنے ایمان پر ثابت قدم رہے۔ بہرحال ان حالات میں پریشانی فطری امر تھا۔ اس پریشانی کی کیفیت میں انہوں نے آنحضور ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ ہمارے لیے دعا نہیں فرماتے کہ اللہ ہمیں ان سختیوں سے نجات دے دے''۔ یہ بات سن کر آنحضور ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا۔ آپ ﷺ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور ارشاد فرمایا: تم سے پہلے

جواہلِ ایمان گزرے ہیں، ان پر اس سے بھی زیادہ سختیاں کی گئیں۔ ان میں سے بعض کو زمین میں گڑھا کھود کر بٹھایا جاتا اور ان کے سر پر آرا چلا کر ان کے دو ٹکڑے کر دیے جاتے۔ کسی کے جوڑوں پر لوہے کے کنگھے گھسائے جاتے تاکہ وہ ایمان سے باز آجائیں۔ خدا کی قسم! یہ کام پورا ہو کر رہے گا یہاں تک کہ ایک شخص (یا ایک عورت) صنعا سے حضرموت تک بے کھٹکے سفر کرے گا اور اللہ کے سوا کوئی نہ ہوگا، جس سے وہ خوف کھائے'' یعنی ہر طرف امن وامان کا دور دورہ ہوگا۔ (صحیح بخاری)

ہجرت اور غزوات میں شرکت:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ کو ہجرت کی اجازت دی تو حضرت خبابؓ بھی مہاجرین کی صف میں شامل ہو گئے۔ وہ مسطح بن اثاثہ اور بنو مطلب بن عبد مناف کے کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ مدینہ روانہ ہوئے اور قبا میں قیام کیا۔ پھر وہ کلثوم بن ہدم کے مہمان ہوئے اور جنگ بدر سے کچھ پہلے ان کی وفات تک وہیں مقیم رہے۔ کلثوم ہجرت نبوی سے قبل ایمان لا چکے تھے، انھیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابوعبیدہ بن جراح، مقداد بن اسود اور کچھ دوسرے صحابہؓ کی مہمانی کا شرف بھی حاصل ہوا۔ کلثوم کے بعد خباب اور مقداد، سعد بن عبادہ کے ہاں منتقل ہو گئے اور بنو قریظہ کی فتح تک انھی کے ہاں رہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبر بن عتیکؓ یا خراش بن صمہؓ کے ساتھ حضرت خبابؓ کی مواخات قائم فرمائی۔

حضرت خبابؓ نے جنگ بدر اور تمام معرکوں میں حصہ لیا۔ جنگ احد میں ان کی آنکھوں کے سامنے سباع بن عبدالعزی جہنم واصل ہوا، جو ان کی مالکن ام انمار کا بھائی تھا۔ اسے سید الشہداء حمزہؓ نے انجام تک پہنچایا۔

حضرت خبابؓ کی بیٹی روایت کرتی ہیں، حضرت خبابؓ ایک مرتبہ کسی سریہ میں گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر آئے اور ہماری ضروریات کا خیال رکھا حتیٰ کہ بکری کا دودھ بھی دوہ کر دیا؛ جس سے ہمارا برتن لبالب بھر گیا اور دودھ بہنے لگا۔ جب حضرت خبابؓ سریے سے لوٹے اور دودھ دوہا تو وہ کم ہو کر پہلے جتنا ہو گیا۔

عہد خلافت راشدہ میں:

حضرت خبابؓ نے خلفائے اربعہ کا دور دیکھا اور ہر دور میں انہیں ایک جلیل القدر صحابیؓ کی حیثیت حاصل رہی، ایک روز حضرت عمر بن خطابؓ کے پاس تشریف لائے۔ وہ اس وقت مسند خلافت پر جلوہ افروز تھے تو فاروق اعظمؓ نے حضرت خبابؓ کو اپنی مسند پر بٹھایا اور فرمایا تمام صحابہؓ میں آپ یا حضرت بلالؓ اس کے حق دار ہیں کہ انہیں اس مسند پر بٹھایا جائے۔ پھر آپؓ نے مشرکین کے ہاتھوں پہنچنے والی تکالیف کی روداد سنانے کا مطالبہ کیا تو آپ جواب دینے میں ہچکچائے۔ جب حضرت عمرؓ نے اصرار کیا تو آپ نے پیٹھ سے چادر

سرکائی، حضرت عمرؓ آپ کے جسم پر زخموں کے نشانات دیکھ کر حیران وشش درر ہ گئے اور پوچھا جسم میں یہ گہرے زخم کیسے آئے؟ فرمانے لگے: مشرکین لوہے کی چادر گرم کرتے جب وہ انگارہ بن جاتی تو میرے کپڑے اتار کر مجھے پیٹھ کے بل اس پر گھسیٹتے جس سے میرے بدن کا گوشت پیٹھ کی ہڈیوں سے الگ ہوجاتا۔ (سیر اعلام النبلاء)

حضرت خبابؓ اپنی زندگی کے آخری دور میں صاحب ثروت ہو گئے اور اتنے سونے چاندی کے مالک بن گئے جس کا انہیں وہم وگمان بھی نہ تھا؛ لیکن انہوں نے اپنا مال راہ خدا میں خرچ کرنے کا ایک ایسا انوکھا طریقہ اختیار کیا جو پہلے کسی نے بھی اختیار نہیں کیا تھا۔ یہ درہم ودینار گھر میں ایک ایسی جگہ پر رکھ دیتے جس کا ضرورت مندوں، فقراء ومساکین کو بھی پتہ ہوتا، نہ تو اس پر کسی کو نگران مقرر کیا اور نہ تالا لگایا۔ ضرورت مند ان کے گھر آتے اور اجازت طلب کئے بغیر اپنی ضرورت کے مطابق وہاں سے مال لے جاتے۔ اس کے باوجود انہیں یہ اندیشہ تھا کہ اس مال کے متعلق قیامت کے روز میرا حساب لیا جائے گا اور مبادا کہیں مجھے اس کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کر دیا جائے۔

آپؓ کے ہم نشین صحابہؓ نے یہ بتایا ہم حضرت خبابؓ کے پاس اس وقت گئے جب آپ مرض الموت میں تھے، ہمیں دیکھ کر آپ نے ارشاد فرمایا: اس گھر میں میرے پاس اسی ہزار درہم ہیں۔ اللہ کی قسم میں نے کبھی ان کو کہیں چھپایا نہیں اور نہ کسی سائل کو میں نے محروم واپس لوٹایا۔ یہ بات کہی اور زار وقطار رونے لگے۔ ہم نے پوچھا کہ آپ روتے کیوں ہیں؟ فرمایا: میں اس لئے روتا ہوں کہ میرے بہت سے ساتھی اس دنیا سے اس حالت میں کوچ کر گئے کہ انہیں دنیاوی مال ومتاع سے کچھ بھی نہ ملا، مجھے یہ مال مل گیا مجھے اندیشہ ہے کہ یہ مال کہیں میرے اعمال صالحہ کا بدلہ نہ ہو اور آخرت میں محروم رہ جاؤں۔

وفات: حضرت خبابؓ ۳۷ھ میں کوفہ میں طویل عرصے تک سخت بیماری میں مبتلا رہے۔ آپؓ کوفہ میں وفات پانے والے سب سے پہلے صحابیٔ رسول ہیں۔ آپؓ کی وصیت کے مطابق کوفہ شہر کے باہر آپؓ کی تدفین کی گئی۔ آپ کی عمر ۷۳ سال تھی، اس سے قبل لوگ مرنے والوں کو اپنے اپنے گھروں کے صحن یا دروازوں کے باہر دفنایا کرتے تھے۔ آپؓ کی وصیت سے یہ سنت جاری ہوگئی اور کوفہ شہر سے باہر قبرستان میں تدفین کو رواج ملا۔ آپؓ کی نمازِ جنازہ حضرت علیؓ نے پڑھائی اور آپؓ کی قبر پر کھڑے ہوکر آپؓ کی بھرپور زندگی کا یوں تعارف کرایا: ''اللہ خبابؓ پر رحم فرمائے۔ اپنے شوق سے اسلام قبول کیا، دِلی رغبت سے ہجرت کی، مجاہدانہ جدو جہد سے بھرپور زندگی گزاری، جسمانی مرض میں مبتلا رہے، اللہ تعالیٰ اچھے عمل کرنے والوں کا اجر وثواب ضائع نہیں کرتا''۔ رضی اللہ تعالی عنہ وارضاہ

اصلاحی مضامین

ضیاع وقت کا ایک بڑا سبب موبائل فون اور انٹرنیٹ

مولانا مفتی محمد ابراہیم قاسمی حسامی*

ہمارے معاشرے میں نوجوان لڑکے لڑکیوں کیلئے قیمتی اوقات کے ضیاع کا ایک بڑا سبب موبائل فون بنا ہوا ہے اس کے ذریعہ s.m.s بھیجنے اور اس کے پروگراموں میں وقت گزاری کرنے کا ایک عام مزاج بن گیا، گھنٹوں اس میں ضائع کر دینا، راتوں کو خراب کرنا، ایک عام سی بات ہوگئی، کبھی یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ میرا قیمتی وقت ضائع ہو رہا ہے، سچی بات یہ ہے کہ آج کا نوجوان موبائل کو لے کر ایک مجنونانہ کیفیت کا شکار ہو چکا ہے، اور اس وبائی مرض سے مدارس کا ایک بڑا طبقہ بھی محفوظ نہ رہ سکا، منتظمین کی جانب سے باوجود سخت پابندی اور کڑی نگرانی کے طلبہ پھر بھی اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے اور اس موبائل کے منفی اثرات سے پوری طرح وہ متاثر ہو چکے ہیں، ان دینی طالب علموں کو نہ اپنے دین وایمان کا فکر ہوتی ہے، نہ اپنی دنیوی زندگی کے ضیاع کا کبھی خیال آتا، بس وہ اپنے مستقبل سے آنکھیں بند کر کے مدرسوں کی چہار دیواری میں طالب علمانہ لباس اختیار کر کے خود کو بھی دھوکہ دے رہے ہیں اور اپنے اساتذہ وسرپرستوں اور والدین کو بھی اندھیرے میں رکھے ہوئے ہیں، اللہ رب العزت ہی ان کے حال پر رحم فرمائے، اور ان نادان وناعاقبت اندیش بچوں کو فکر عطا فرمائے کہ وہ اپنا مستقبل روشن وتابناک بنانے پر محنت کریں اور اپنے اہلِ خانہ کی اس گاڑھی کمائی کی قدر کریں کہ جو بسیار محنتوں ومشقتوں کے ساتھ کما کر ان بچوں کے ماہانہ صرفہ کا نظم کرتے ہیں۔

فیس بک کے استعمال میں اکثر وبیش تر جان دار اور نامحرم کی تصاویر بھی سامنے آجاتی ہیں، اور اس میں مشغولیت سے عام طور پر قیمتی اوقات کا ضیاع بھی ہوتا ہے، مزید یہ کہ فیس بک ہر کس وناکس کو اظہارِ خیال کی آزادی کا پلیٹ فارم فراہم کرتا ہے، جس میں باطل عقائد ونظریات والے لوگ کم زور اہلِ ایمان کے ایمان پر ڈاکا ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں، بلکہ اس کے لیے باقاعدہ منظم کام بھی کر رہے ہیں؛ اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ ایسے تالاب میں کودنے سے اجتناب کیا جائے جہاں خود کے ڈوبنے کا خدشہ ہو۔

ہاں! اگر کوئی شخص اپنے ایمان اور عقائد میں اس قدر مضبوط ہو کہ دوسروں سے متاثر ہونے کے بجائے

* ناظم مدرسہ اسلامیہ صفہ للبنات وقار آباد، وخطیب مسجد نظام الدین سکندر آباد

دوسروں کے لیے ہدایت وراہ نمائی کا ذریعہ بن سکتا ہو یا اسلام اور مسلمانوں کا مناسب دفاع کرسکتا ہو تو حدودِ شرع میں رہتے ہوئے فیس بک یا اس جیسا کوئی پلیٹ فارم استعمال کرنے کی گنجائش ہوگی۔

انٹرنیٹ کا استعمال

انٹرنیٹ کا صحیح استعمال بھی ہے اور غلط اور غیر محتاط استعمال بھی ہے، ضرورت کے وقت صحیح اور محتاط استعمال کی اجازت ہے؛ لیکن غلط اور غیر محتاط استعمال گناہ ہونے کے ساتھ ساتھ بہت سے مفاسد اور نقصانات پر بھی مشتمل ہے؛ اس لئے اپنے بچے بچیوں اور گھر کے افراد کو انٹرنیٹ کے غلط اور غیر محتاط استعمال کی اجازت دینا ان کو گناہوں کے دلدل میں ڈھکیلنا اور اخلاقی بے راہ روی پر ڈالنا ہے جو کہ درست نہیں، اپنے بچے اور بچیوں کو بغیر ضرورت کے اسمارٹ فون سے باز رکھنا چاہئے، اگر بیوی انٹرنیٹ کا غلط استعمال کر رہی ہے تو اس کو شوہر کا حکم مان کر غلط استعمال چھوڑ دینا چاہئے اور شوہر کے روکنے کو ظلم سے تعبیر کرنا درست نہیں، مرد گھر کا ذمہ دار ہے اسے چاہئے کہ گھر کے افراد کی اچھی تربیت کرے اور گناہوں سے باز رکھنے کی بھرپور کوشش کرے اسی طرح ائمہ مساجد اور علماء کرام کو بھی چاہئے کہ انٹرنیٹ وغیرہ کے غلط استعمال کے مفاسد ونقصانات اور ان کے ذریعے سے پیدا ہونے والی اخلاقی بے راہ روی کو بیان کریں تاکہ امت کے اندر اس گناہ کے تعلق سے بیداری پیدا ہو اور گناہ سے محفوظ ہو سکے۔

نیز کسی شدید ضرورت کے بغیر جان دار کی تصویر بنانا، کھنچوانا، یا استعمال کرنا ناجائز اور حرام ہے، اور اسی طرح جان دار اشیاء کی تصاویر دیکھنا بھی جائز نہیں ہے، تصویر اگر عورت کی ہے یا اس میں کسی کا ستر واضح ہو تو اس میں بدنظری کا گناہ بھی ہوگا۔ اور اگر تصویر عورت کی نہ ہو، اور اس میں کسی کا ستر نظر نہ آرہا ہو لیکن دیکھ کر فرحت یا لذت محسوس ہو تو بھی ناجائز ہے کہ حرام چیز کو دیکھ کر خوش ہونا بھی ناجائز ہے، اسی لیے تصاویر کو تلف کرنے کا حکم ہے۔ البتہ اگر ارادے کے بغیر اس پر نگاہ پڑ جائے تو اس میں حرج نہیں، لہذا فیس بک پر تصاویر لگانا یا قصداً تصویر دیکھنا جائز نہیں ہے، نیز متعدد دینی، اخلاقی، اور شرعی مفاسد اور خرابیوں میں ابتلا کے قوی امکان کی وجہ سے فیس بک، انسٹا گرام، ٹیوٹر، یوٹیوب جیسے ایپ کے استعمال سے اجتناب ہی بہتر ہے۔

اصلاحی مضامین

ہم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے!

ازقلم: محمد سلمان قاسمی محبوب نگری*

امت مسلمہ کا ایک بڑا طبقہ اس وقت دینی اعتبار سے جس زبوں حالی و بے راہ روی کا شکار ہے اور مجموعی طور پر جو تغافل و دین بیزاری نظر آرہی ہے وہ بیان و کتابت سے باہر ہے، لیکن بالعموم وہ لوگ جو کسی بھی درجے میں خدمتِ دین سے منسلک و منتسب ہیں اور کسی بھی نوعیت کے ملی اُمور میں مصروف بہ عمل ہیں، اُن کو بھی اپنا محاسبہ کر کے اس پر توجہ مرکوز کرنی ہے کہ اپنی خدماتِ دینیہ کے ساتھ ساتھ شخصی زندگی میں علمی و عملی اور روحانی ترقی بھی ہوتی رہے؛ اس میں کوئی دورائے نہیں ہے کہ یہی وہ طبقہ ہے جو اس وقت احیاء دین، تجدید ایمان، تحفظ شریعت و تعلیم کتاب وسنت کا فریضہ انجام دے رہا ہے، اور ما انا علیہ و اصحابی کی ترجمانی کر رہا ہے، اسی کو حدیث رسول ﷺ میں "طائفة من امتي ظاهرين على الحق" کہا گیا ہے گویا نبض ہستی تپش آمادہ انہیں کے نور سے ہے، چناں چہ جب ہم اپنی زندگیوں کا پیش رَو اسلاف واکابر کی سوانحات سے موازانہ کرتے ہیں اور اپنے احوال کا ان کی سیرت میں جائزہ لیتے ہیں تو ایک طرح کا بونِ بعید اور طویل فاصلہ نظر آتا ہے، ایسا لگتا ہے کہ ہم جس دینی خدمت سے وابستہ ہیں اسی پر قناعت کئے ہوئے ہیں اور اُسی کو اپنی استعدادِ آخرت کے لئے کافی سمجھتے ہیں، حالاں کہ اس سے آگے بڑھ کر اپنے دائرۂ عمل کو اور میدانِ کار کو وسیع کرنے اور اس میں اپنے اکابر سا احتیاط و تقویٰ ملحوظ رکھنے کی فکر بھی ضروری ہے؛ ہمارے اکابر کی زندگیاں فکرِ عقبیٰ، خوف آخرت، کثرتِ سجود و تلاوت، استغناء و فنائیت، عجز و انکسار اور بے نفسی سے معمور نظر آتی ہیں، نیز ان کے اوقات اکثر علمی اشتغال اور عبادت و ریاضت میں گزرتے تھے، اور روز بہ روز ان اعمال میں اضافہ ہوتا جاتا تھا، سب پونجی مصالحِ امت و منافع دین میں صرف ہوتی تھی، وہ پوری احتیاط برتتے تھے کہ زندگی کا کوئی بھی لحظہ ذکر و شغل اور علم و اکتساب سے خالی نہ گزرے حتیٰ کہ عمر کے آخری لمحات میں جب کہ انسان کے ہوش و حواس باختہ اور عقل ماؤف ہو جاتی ہے، کوفت و مشقت کے مراحل سے وہ گزر رہا ہوتا ہے تب بھی یہ لوگ خدا سے لو لگائے ہوئے یا علمی فکر یے میں خود کو الجھائے ہوئے ہوتے تھے۔

* استاذ شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا

یہ منصب بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

اکابر کی زندگیوں کے درخشاں پہلو:

امام الائمہ قدوتنا ومولانا حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ جہاں اپنے علم وفن کے تاجدار تھے وہیں اعلیٰ درجہ کے شب گزار بھی تھے، حضرت امام ابو یوسفؒ کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ آپ کے ہمراہ چل رہا تھا کہ اچانک میرے کان میں آواز پڑی کہ ایک شخص دوسرے آدمی سے کہہ رہا تھا: یہ دیکھو ابوحنیفہ ہیں جو ساری رات نماز میں کھڑے رہ کر گزار دیتے ہیں، یحییٰ بن حمید حمانی اپنے والد کا بیان نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: میں ابوحنیفہؒ کی صحبت میں چھ ماہ رہا، میں نے چھ ماہ میں کبھی نہیں دیکھا کہ انہوں نے فجر کے لیے مستقل وضو کیا ہو یعنی ہر رات وہ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے تھے، قاسم بن معنؒ جو امام صاحب کے شاگرد ہیں کہتے ہیں کہ ایک رات میں نے دیکھا کہ حضرت ساری رات ایک ہی آیت : بَلِ ٱلسَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَٱلسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ پڑھتے گئے اور روتے گئے یہاں تک کہ فجر ہوگئی۔ اللہ اکبر! کس درجہ آخرت کا خوف ان بزرگوں پر طاری تھا۔

حضرت سفیان ثوریؒ کو فن حدیث میں جو علو شان حاصل ہے وہ اہل علم پر مخفی نہیں ہے، وہیں ان کی عبادتوں کا حال یہ تھا کہ علی بن فضیل کہتے ہیں کہ میں نے مکہ میں حضرت سفیان ثوری کو دیکھا کہ سجدہ کئے ہوئے تھے میں نے اپنے طواف کے ساتوں چکر مکمل کر لیے اور وہ مسلسل سجدے ہی میں پڑے رہے، حضرت عطاء خفّافؒ کا بیان ہے کہ میں جب کبھی حضرت سفیان ثوریؒ سے ملاقات کرتا تو اُن کو فکر آخرت میں ڈوبا ہوا پاتا، ان کے مصاحبین کہتے ہیں کہ جب ہم حضرت ثوریؒ کے پاس بیٹھتے تو ان کے خوف وفزع کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا گویا کہ ہم (جہنم کی) آگ کے گھیرے میں ہیں۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ جن کی عبادت کے قصے بہت مشہور ہیں، امام اعظمؒ کے اجل تلامذہ میں سے گزرے ہیں، ابراہیم بن اشعث کہتے ہیں کہ وہ اس قدر مغلوب الحال ہوا کرتے تھے کہ جب وہ اللہ کا ذکر کرتے یا ان کے سامنے کوئی اللہ کا نام لیتا یا کسی آیت کی تلاوت ہی کر دی جاتی تو عظمت وہیبت سے ان پر ایک طرح کا حزن وملال چھا جاتا اور اس قدر روتے کے اطراف واکناف کے لوگوں کو ان کی حالت پر ترس آجاتا، خود انہی کا بیان ہے کہ جب ہم فضیل بن عیاضؒ کے ساتھ کسی جنازہ میں تشریف لے جاتے تو سارا راستہ لوگوں کو وعظ کرتے اور روتے جاتے، اور ایسا بے چین رہتے گویا یہی ان کا وقتِ آخریں ہے، یہ سلسلہ قبرستان تک جاری رہتا، جب قبرستان پہنچتے تو فرطِ غم اور شدتِ حزن سے قبروں کے بیچ بیٹھ جاتے پھر کھڑے ہو کر ایسی ایسی باتیں

بتانے لگتے گویا وہ ابھی تمام احوال آخرت کا مشاہدہ کر کے لوٹے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن ادریس جو امام مالک، عبداللہ بن مبارک، امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ جیسے کبار علماء کے استاد گزرے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے خوشہ چیں تھے کہتے ہیں کہ جب ان کا آخری وقت تھا تو ان کی بیٹی رو رہی تھی تو انہوں اپنی بیٹی کو تسلی دیتے ہوئے کہا بیٹا! رومت، اس گھر کے چھت کے نیچے تیرے باپ نے چار ہزار مرتبہ قرآن شریف مکمل کیا ہے، یہ تو اسلاف ہیں ہم ماضی قریب کے اپنے اکابر دیوبند کے احوال ہی کو دیکھ لیں کس قدر متورّع اور متقی تھے، حضرت گنگوہیؒ علماء دیوبند کے سرخیل اور امام ہیں، اُس قحط الرجال کے دور میں رجال سازی کا جو کارنامہ انجام دیا وہ حضرت ہی کا نصیبہ ہے، ایک مرتبہ حضرت تھانوی قُدّس سرہ نے اپنے کچھ احوال لکھ کر حضرت کو پیش کئے تو جواب میں تحریر فرمایا " ہمیں تو اب تک بھی یہ حالات نصیب نہیں ہوئے، سبحان اللہ! کیا عالم تواضع ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ مولانا مظہر صاحب نانوتویؒ بانیٔ مظاہر علوم سہارنپور کے بارے میں لکھتے ہیں کہ جب مولانا کا کوئی عزیز آتا تو اس سے باتیں شروع کرتے آمد کے وقت گھڑی دیکھ لیتے اور واپسی پر گھڑی دیکھ کر حضرت کی کتاب میں ایک پرچہ رکھا رہتا تھا اس پر تاریخ اور منٹوں کا اندراج فرما لیتے تھے اور ماہ کے ختم پر ان کو جمع فرما کر اگر نصف یوم سے کم ہوتا تو آدھے یوم کی رخصت اور نصف یوم سے زائد ہوتا تو ایک یوم کی رخصت مدرسہ میں لکھوا دیتے تھے البتہ کوئی فتویٰ وغیرہ پوچھنے آتا تو اس کا اندراج نہیں فرماتے تھے، یہ ان اکابر کا احتیاط تھا۔

حضرت مولانا منیر صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کا ایک مرتبہ مدرسہ کی روئیداد چھپوانے ڈھائی سو روپے لے کر دہلی کی جانب سفر ہوا کہ راستہ میں رقم چوری ہوگئی تو کسی کو بتائے بغیر واپس آئے اور اپنی کسی زمین وغیرہ کو بیچ کر پیسہ لیا اور روئیداد چھپوا کر لے آئے، جب کچھ مدت کے بعد لوگوں کو پتا چلا تو حضرت گنگوہیؒ سے فتویٰ طلب کیا حضرت نے جواباً تحریر فرمایا کہ مولانا امین تھے، بغیر تعدی کے رقم ہلاک ہوئی ہے لہذا ان پر کوئی تاوان نہیں ہے، لوگوں نے باصرار رقم واپس کرنی چاہی اور مولانا گنگوہیؒ کا فتویٰ بتایا تو کہا، اوہو! مولوی رشید احمد نے فقہ میرے لیے ہی پڑھی ہے، ذرا اپنی چھاتی پر ہاتھ رکھ کر تو دیکھیں اگر ان کو ایسا واقعہ پیش آتا تو کیا وہ بھی روپیہ واپس لیتے، جاؤ بھائی جاؤ اس فتویٰ کو لے جاؤ میں ہرگز پیسے واپس نہیں لوں گا، حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلویؒ ایک رات انتہائی بے چینی کے عالم میں ٹہل رہے تھے کہ بیوی کی آنکھ کھل گئی دیکھا کہ حضرت پریشان ہے رو رہے ہیں تو آکر پوچھا کیا ہوا ہے؟ بتلائیں میں کئی روز سے یہ حالت دیکھ رہی ہوں کہ آپ راتوں کو سوتے

نہیں تو حضرت نے عجیب جواب دیا، کیا بتاؤں اگر تم کو وہ بات معلوم ہوجائے (جو مجھ پر سوار ہے) تو جاگنے والے ایک نہیں ہیں دو ہوجائیں گے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ تقوی کے تاجدار تھے، لکھا ہے کہ جب آخری عمر میں حضرت گنگوہیؒ نابینا ہوئے تو ان کے پاس آتے تو فوراً کہتے کہ اشرف علی آیا ہے اور جب جاتے تو کہتے اشرف علی رخصت چاہتا ہے کیوں کہ ویسے چپکے سے جاکر بیٹھنا تجسس کے مشابہ ہے، تشبہ بالمتجسس بھی متجسس ہی ہے، آنے جانے کی اطلاع سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ شاید کوئی بات میرے سامنے فرمانا نہ چاہیں اور فرمانے لگیں، یہ وہ لوگ ہیں جو زندگی کے ہر شعبے میں اسوۂ حسنہ اور مثالی نمونہ چھوڑ کر گئے ہیں، لیکن ایسا لگتا ہے کہ یہ سب باتیں انہیں کے ساتھ زیر خاک گئیں الا ماشاء اللہ۔

تیری محفل بھی گئی، چاہنے والے بھی گئے
شب کی آہیں بھی گئیں، صبح کے نالے بھی گئے
دل تجھے دے بھی گئے، اپنا صِلا لے بھی گئے؛
آ کے بیٹھے بھی نہ تھے اور نکالے بھی گئے
آئے عُشّاق، گئے وعدۂ فردا لے کر؛
اب اُنھیں ڈھونڈ چراغِ رُخِ زیبا لے کر

آج کل جن لوگوں کو بھی باری تعالیٰ کی نظر انتخاب کے بہ دولت اس کے مقدس دین کی خدمت اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کے تحفظ کا موقع ملا ہے یہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، یہ خصوصی فضل ہے جو اللہ نے اُن پر فرمایا ہے لیکن بہ شمول راقم جو اِن حروف کا اولین مخاطب ہے ہم تمام ہی حضرات کو اپنے تمام تر اُمور میں اپنے اکابر واسلاف کو نمونہ واسوہ بنانے کی سعی کرنا چاہیئے اور ان کی زندگیوں سے ماخوذ واقعات، استشہادات، تمثیلات وملفوظات، ہمارے مواعظ وخطابات کا مستدل اور مضامین ومقالات کا مغز ہوتے ہیں جن کے ذریعہ ہم اپنے ماتحتین ومتعلقین کو عمل پر اُبھارتے ہیں وہ صفاتِ حمیدہ خود ہمارے لئے بھی مہمیز کا کام دینا چاہیئے، بالخصوص وہ تحمل مزاجی، امت کے تمام طبقات کو لے کے چلنے کا جذبہ، ہر طبقے کے خدمات کو سراہنے کا حوصلہ، اپنے کام کا ان کے کام سے تقابل کرنے کے بجائے اُن کے کام میں معاون بننے کا انداز، اور وہ اعتدالی مزاج جو ہمارے اکابر دیوبند کا امتیازی وصف رہا ہے جو آج بالکل ناپید ہوتا جارہا ہے اس کو تو مکمل اپنانے کی فکر ہونی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ہم تمام خدام دین کو اسلاف واکابر کی صفاتِ حمیدہ سے مزین وآراستہ فرمائے۔ آمین

خصوصی مضامین

جمہوریت؛ پس منظر و پیش منظر

مفتی محمد نوید سیف حسامی ایڈووکیٹ

۱۹۴۰ء کی دہائی میں جن ممالک نے آزادی حاصل کی ان میں سب سے نمایاں نام ہندوستان کا ہے، بتیس لاکھ ستاسی ہزار دوسو تریسٹھ (۳۲,۸۷,۲۶۳) مربع کلومیٹر پر پھیلے اس وسیع وعریض ان گنت تہذیبوں، ثقافتوں کے حامل ملک کا قومی اتحاد آزادی کے بعد سب سے بنیادی ضرورت تھی، ایک طرف نوابی ریاستیں اپنی خودمختاریت چھوڑ کر ملک میں ضم ہورہی تھیں تو دوسری طرف زبان اور علاقہ کی بنیاد پر علیحدگی پسند تحریکیں جنم لے رہی تھیں، برطانوی استعمار اپنا سامان سمیٹ کر ملک سے روانگی کی تیاری کر چکا تھا، انگریز نے واپسی سے پہلے شاطرانہ منصوبہ بندی کے ساتھ ہندوستانیوں میں مذہب کی چنگاری لگادی تھی جس پر تقسیم ہند کے مطالبہ نے جلتے پر تیل کا کام کیا تھا، مذہبی منافرت کا یہ پودا ہر گذرتے دن کے ساتھ ایک تناور درخت کی شکل اختیار کررہا تھا جس پر اگنے والے کانٹوں نے تقسیم کے فوراً بعد دھرتی کو لہولہان کرنا شروع کردیا تھا، عین ممکن تھا کہ برطانوی حکومت سے اقتدار کی منتقلی کے بعد ہندوستان ایک جنگل راج کا نمونہ بن جاتا، ضرورت تھی ایک ایسے نظام کی جو مشرق ومغرب اور شمال وجنوب میں بسے کروڑوں ہندوستانیوں کی نہ صرف جانوں کا بلکہ ان کی املاک، مذہب اور ثقافت کا محافظ وامین ہو، اسی ضرورت کی پیداوار ہمارا دستور ہے۔

دستور کی تیاری کی اپنی ایک تاریخ ہے، پچاس ممالک کے دساتیر کے مطالعہ کے بعد تقریباً تین سال کے عرصہ میں چونسٹھ لاکھ روپے کی لاگت سے تیار ہونے والے دنیا کے سب سے طویل دستور نے ایک عرصہ دراز تک اپنا فریضہ بخوبی انجام دیا ہے، اسی دستور نے جنوب بعید کے ٹامل افراد کو شمال بعید کے لداخ کے باسیوں کے ساتھ تین ہزار چارسو کلومیٹر کی مسافت اور رنگ، نسل، زبان، معاشرت اور تہذیب کے حد درجہ اختلافات کے باوجود قومیت اور وطنیت کے دھاگے میں پرو کر رکھا ہے، دستور ہند نے اپنے آپ کو کسی مذہب کا حمایتی بننے یا بالفاظ دیگر ملک کو کسی مخصوص مذہب کے رنگ میں رنگنے سے بچا کر رکھا لیکن ساتھ ہی ملک میں بسنے والے مختلف مذاہب کے پیروکاروں کو نہ صرف اپنے مذہب پر عمل کی اجازت دی بلکہ ترویج واشاعت کی بھی کھلی

چھوٹ دی ہے، عبادت گاہوں کی تعمیر، مذہبی کتب کی طبع ونشر، مذہبی درسگاہوں کا قیام وغیرہ سارے امور مذہب کے تئیں دستور کی لچک کو ظاہر کرتے ہیں۔

مرکز اور ریاستوں کے درمیان اختیارات کی موزوں تقسیم بھی دستور ساز اسمبلی کا ایک بڑا کارنامہ ہے، دستور کا یہ حصہ اگرچہ برطانوی دستور سے متاثر ہے لیکن اسے ملکی حالات کے مطابق ڈھالا گیا ہے، اس طرز حکومت کو نیم وفاقی کہا جاتا ہے جہاں ریاستیں بھی اپنے کچھ اختیارات رکھتی ہیں، دستور کے ساتویں شیڈیول میں تین فہرستوں کے ذریعہ مرکز اور ریاستوں کے درمیان اختیارات بانٹے گئے ہیں جن میں پہلی اور دوسری فہرست بالترتیب مرکز اور ریاست کے زیر اختیار قابل قانون سازی امور کو بتاتی ہیں جبکہ تیسری فہرست میں مشترک امور رکھے گئے ہیں کہ ان میں قانون سازی کا مرکز اور ریاست دونوں کو اختیار رہے گا، دستور میں ریاستی اسمبلیوں کا وجود اور ریاست کی حد تک ان اسمبلیوں کی بالادستی نے کافی حد تک جمہویت کے مزاج کو باقی رکھا ہے۔

دستور کی ان اور ان کے علاوہ کئی اور دیگر خوبیوں کے باوصف ہر گذرتے دن کے ساتھ اس کا اثر ورسوخ ماند پڑتا جارہا ہے، آزادی کے بعد دستور کے ذریعہ اقتدار میں آنے والوں نے خود دستور کو پس پشت ڈالا ہے، دستور کی اہمیت کو کم یا ختم کرنے میں دستور کے نمائندے ہی آگے آگے نظر آتے ہیں، نتیجہ یہ کہ ملک میں جمہوریت کی بقا خطرے میں پڑ چکی ہے، جن اندیشوں کو سامنے رکھتے ہوئے آزادی کے بعد ملک کو جمہوریت دی گئی اور جن خدشات سے تحفظ کے لئے دستور وضع کیا گیا تھا وہ سبھی خدشے اب حقیقت بن کر سامنے کھڑے ہیں، ریاستی حکومتیں مرکز کی جانب سے ریاستی معاملات میں غیر ضروری دخل اندازی کی وجہ سے ناراض ہیں تو دوسری طرف مذہبی کشیدگی کی دیمک ملک کی سالمیت کو اندر سے کھوکھلا کررہی ہے، اقلیتوں کی جانوں اور املاک کے تحفظ کا یقین دن بہ دن کمزور پڑتا جارہا ہے، عبادت گاہوں پر قبضہ پھر اس قبضہ کو عدلیہ کے ذریعہ جائز قرار دینے کی کوشش دستور کے پرخچے اڑا رہی ہے۔

ہمارے دستور میں آپسی بھائی چارگی اور اتحاد کو وہی حیثیت حاصل ہے جیسی انسانی جسم میں ریڑھ کی ہڈی کو، دستور کی تمہید کو جسے انگریزی میں ''پری ایمبل'' کہتے ہیں ماہرین قانون کے مطابق اسے دستور کی روح مانا گیا ہے، دستور میں تادم تحریر ۱۰۴ ترمیم ہوچکی ہیں لیکن ایسی کوئی ترمیم جو دستور کی روح کے مغائر ہو غیر دستوری مانی جائے گی، مثلاً دستور کے آرٹیکل ۴۴ میں اگرچہ ملک کے رہنماؤں کو اس بات کی کوشش پر ابھارا گیا ہے کہ وہ ملک میں بسنے والے تمام شہریوں کے لئے یکساں قانون نافذ کریں لیکن ساتھ ہی آرٹیکل ۲۵ میں مذہبی آزادی کا

حق بھی دیا گیا ہے، یہ دونوں شقیں بظاہر آپس میں متعارض ہیں لیکن ماہرین نے یہ درمیانی راہ نکالی ہے کہ دستور کے نفاذ میں اولین ترجیح بنیادی حقوق کو دی جائے گی، اگر کسی آرٹیکل پر عمل آوری کی شکل میں دستور میں دیئے گئے کسی بنیادی حق پر ضرب پڑ رہی ہے تو اس شق کو نافذ نہیں کیا جائے گا، نومبر ۲۰۱۹ء میں ایک معاملہ کی سماعت کرتے ہوئے سپریم کورٹ کی پانچ رکنی بنچ نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ ''اگر (دستور میں دیئے گئے) بنیادی حقوق محفوظ نہ رہیں تو دستور اپنی اہمیت کھودے گا'' (دی اکنامک ٹائمس)

دستور کا تحفظ آج وقت کی سب سے اہم ضرورت بن چکا ہے، جمہوریت کی حیات دستور کی حیات میں ہے، افسوس اس بات کا نہیں کہ ہندوستان کا عام شہری دستور کی اہمیت سے ناواقف اور نابلد ہے بلکہ افسوس اس بات کا ہے کہ ہندوستانی عوام کا وہ طبقہ جس نے آزادی کے بعد دستور کی شقوں سے اب تک سب سے زیادہ فائدہ اٹھایا ہے وہی دستور سے ناآشنا ہے، اس طبقہ کے معمرین کو تو خیر چھوڑیئے کہ انہوں نے عمر گذار لی ہے ان کے نوجوانوں کو دستور اور جمہوریت کی ہوا بھی چھو کر نہیں گذری ہے، دشمن نے بھی وار کرنے اور حملہ آور ہونے کے لئے یہی راہ چنی ہے، وہ دستور کو دستور کے ذریعہ ہی کاٹ رہے ہیں، ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسی شقیں تلاش کی جارہی ہیں جو وہ اپنے مفاد میں استعمال کرسکیں اور کر بھی رہے ہیں۔

ہماری ذمہ داری تو یہ تھی اس ملک میں جہاں ہمارے آباء نے آٹھ صدیوں پر مشتمل طویل پرامن حکمرانی کی وہاں نفاذِ اسلام کی کوششیں کرتے چہ جائیکہ ہم تحفظِ اسلام بلکہ تحفظِ جمہوریت میں بھی ناکام رہے ہیں، اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ جمہوری طرزِ حکومت اسلامی طرزِ حکومت کا متبادل ہرگز نہیں ہوسکتا اور نہ ہی مذہب اسلام کی بنیادوں کا علم رکھنے والا کبھی اس طرز پر راضی ہوسکتا ہے جہاں لوگ تولے نہیں بلکہ صرف سر گنے جاتے ہیں، ساتھ ہی اس حقیقت سے بھی کوئی دانش مند منکر نہیں ہوسکتا کہ اگر کسی موقعہ پر غالب آنا ممکن نہ ہو تو کم از کم مغلوب ہونے سے تو بچا جائے، دستور اور جمہوریت سے ہمیں یہی تو نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ گنتی میں کم ہونے اور ہر دن بڑھتی دشمنی کے باوجود اب تک ہمیں وہ سارے حقوق حاصل ہیں جو کسی اور مذہب سے تعلق رکھنے والے شہری کو دیئے گئے ہیں، احیاء جمہوریت کی کوشش اس معنی کر قبیح و مذموم نہیں شمار کی جائے گی جب ان کوششوں کو مغلوبیتِ اسلام سے بچنے کے لئے کیا جائے۔

دستور و جمہوریت کے تعلق سے علم و معلومات میں اضافہ، دستور میں دیئے اپنے حقوق کا حصول اور ان کے تحفظ کی لڑائی نیز استحکامِ جمہوریت کے لئے کوشش کرنا یا ایسی کوششوں میں اپنا حصہ ڈالنا یا کم از کم منفی نظریات کے ذریعہ ان کوششوں کو پست ہمت نہ کرنا ہماری اولین ترجیح ہونی چاہئے، ملک میں فساد و بگاڑ کے خواہش مند اگر دستور کو بظاہر دستوری طریقوں سے اپنے مفاد میں ڈھال سکتے ہیں تو دستور کو دستوری طریقوں سے بچایا بھی جاسکتا ہے۔

خصوصی مضمون

ہندوستان کا دستور اور پامال ہوتی جمہوریت

از: مفتی احمد عبید اللہ یاسر قاسمی*

ہمارے ملک کی آزادی اور جمہوری نظام کو تقریباً 73 سال مکمل ہونے کو ہیں، 26 جنوری یہ وہ تاریخ ہے جس دن ہمارے بزرگوں نے آزاد ہندوستان کو ایک جمہوری اور سیکولر نظام عطا کیا، اس مضبوط نظام اور جمہوری اقدار کی بنا پر ہمارے ملک کو دیگر ممالک پر فوقیت اور برتری حاصل ہوئی اور ہمارا ملک پوری دنیا میں دوسری بڑی جمہوریت اور ڈیموکریٹک کنٹری کے طور پر سامنے آیا؛ اس وجہ سے کہ وطن عزیز کے باشندے متعدد مذاہب کے پیرو اور مختلف تہذیبوں کے امین ہیں؛ یہاں بودھ اور جین مذہب کے پیروکار ہیں تو وہیں ہندو اور سکھ مذہب کے ماننے والے بھی ہیں، یہاں اگر مسیحیت کے نام لیوا ہیں تو وہیں مذہب اسلام کے متبعین بھی ہیں؛ اسی وجہ سے ماہرین نے ہمارے ملک کو ایسے چمن سے تشبیہ دی جو گلہائے رنگارنگ سے آراستہ ہو، یا پھر ہمارا ملک وہ آسمان کے مانند ہے جو مختلف قسم کے ستاروں سے جگمگا رہا ہو، چنانچہ ضروری تھا کہ اس ملک کے مختلف النوع، مختلف اللسان، مختلف المذاہب لوگوں کے لئے کوئی جامع نظام پیش کیا جاتا جو بلا امتیاز مذہب وملت اور مسلک و مشرب ہر باشندہ کے لیے مساوی، راحت بخش اور سکون کا باعث ہو۔

ذیل میں ہم مختصر طور پر ہندوستان کے آئین و دستور، دفعات اور قوانین کا تذکرہ کریں گے جو نہ صرف ہمارے ملک کی جمہوریت کی عکاس ہیں؛ بلکہ جن کو رُو بہ عمل لانے کی صورت میں ملک کے ہر باشندے کو باعزت زندگی گزارنے کا موقع ملے، جس میں ہر شہری کے لئے سماجی، معاشی، سیاسی انصاف، آزادئ خیال، آزادئ اظہارِ رائے، آزادئ عقیدہ ومذہب وعبادات، انفرادی تشخص، اور احترام کو یقینی بنایا گیا، اور ملک کی سالمیت ویکجہتی کو قائم و دائم رکھا گیا، جو حقوق اس ملک نے ہر شہری کو عطا کیے ہیں ان میں سب سے پہلا نمبر حقِ مساوات کا ہے۔

حق مساوات

لغت میں مساوات کا معنی یکساں اور برابری کے ہیں بالخصوص حقوق، مراتب اور مواقع میں یکساں ہونا؛

* استاذ شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا

چنانچہ ہندوستان کے آئین میں یہ بات خاص طور پر مذکور ہے کہ اس ملک کے ہر شہری کو مساوی حقوق حاصل ہوں گے، آئینی اعتبار سے ان میں کسی قسم کی اونچ نیچ اور اعلیٰ وادنی کی کوئی تفریق نہیں ہوگی حقوق واختیارات میں کسی کو کسی پر فوقیت حاصل نہیں ہوگی، مذہبی طور پر کوئی کسی سے بڑا نہیں ہوگا، ذات پات، رنگ ونسل اور پیدائش ومذہب کے لحاظ سے کوئی امتیازی سلوک نہیں ہوگا، چنانچہ بنیادی حقوق کے تحت دفعہ 14 اور 15 میں صاف لفظوں میں اس بات کا اعلان کیا گیا ہے کہ (1) مملکت محض مذہب، نسل، ذات، جنس، مقام پیدائش یا ان میں سے کسی کی بنا پر کسی شہری کے خلاف امتیاز نہیں برتے گی۔ (2) کوئی شہری محض مذہب، نسل، ذات، مقام پیدائش یا ان میں سے کسی کی بنا پر (الف) دُکانوں، عام ریستوران، ہوٹلوں یا عام تفریح گاہوں میں داخلہ کے لیے یا (ب) کلی یا جزوی طور سے مملکتی فنڈ سے قائم یا خلائق عامہ کے استعمال کے لیے وقف کنوؤں، تالابوں، اشنان گھاٹوں، سڑکوں اور عام آمدورفت کے مقامات کے استعمال کے، نا قابل نہ ہوگا، یا اس پر کوئی ذمہ داری یا پابندی یا شرط نہ ہوگی۔ آئین ہند دفعہ 16 کے تحت سرکاری ملازمت کے لیے مساوی مواقع ہر شہری کو عطا کیے گئے۔ (1) تمام شہریوں کے لیے مملکت کے تحت کسی عہدہ پر ملازمت یا تقرر سے متعلق مساوی موقع حاصل رہے گا۔ (2) کوئی شہری محض مذہب، نسل، ذات، جنس، نسب، مقام پیدائش، بود و باش یا ان میں سے کسی کی بنا پر مملکت کے تحت کسی ملازمت یا عہدے کے لیے نہ تو نا قابل ہوگا اور نہ اس کے خلاف امتیاز برتا جائے گا۔ (بھارت کا آئین)

ان دفعات اور قوانین کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مساوات کا حق دستور کا جوہر اور دستور کی فنی خوبی ہے؛ لیکن وطن عزیز ہندوستان عدم مساوات کا شکار ہے، مذہب کے نام پر ظلم وزیادتی ہو رہی ہے، نسلی تعصب اور فرقہ واریت پھر عود کر آرہی ہے، انتشار اور بے چینی میں اضافہ ہو رہا ہے، غربت اور مفلوک الحالی اب بھی موجود ہے، امیر اور غریب کے درمیانی خلیج وسیع اور گہری ہو رہی ہے، سب کو غذاء، سب کو مکان سب کو روزگار اور سب کو پروقار زندگی دینے کا خواب ابھی تک شرمندہ تعبیر نہیں ہوا ہے، معاشرہ ابھی بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار نظر آتا ہے، ناخواندگی ختم نہیں ہوئی ہے، خواتین کے استحصال اور ان کے ساتھ زیادتی کے واقعات کئی گنا بڑھ رہے ہیں، سماج کے پسماندہ طبقات کی حالت میں کوئی خوشگوار تبدیلی نہیں آرہی ہے اور اقلیتوں پر مظالم کا سلسلہ تھمتا نہیں ہے، یہ سب آئینی اقدار کو فراموش کرنے اور عدم مساوات کا خمیازہ ہے۔

آزادی کا حق اور اس کا مفہوم:

آزادی انسان کی وہ بنیادی ضرورت ہے جس کے بغیر انسان کامیابی وکامرانی کا تصور تک نہیں کرسکتا،

دراصل آزادی کی قدر ان قوموں کو ہوتی ہے جو اس نعمت سے محروم ہیں؛ ہمارے بڑوں نے اس ملک کی آزادی کے لئے لیے عظیم قربانیاں دیں، جانوں کا نذرانہ پیش کیا؛ لیکن برطانوی استعمار کے زیر اثر رہ کر غلامانہ زندگی گزارنا کبھی قبول نہیں کیا، ان عظیم سرفروشوں کی بنا پر ہمارا ملک آزاد تو ہو گیا اور آئینی اعتبار سے ہم آزاد ہو گئے، آزادی رائے، آزادی خیال، آزادی مذہب، آزادی تقریر وتحریر، اور آزادی تعلیم، آزادی تجارت غرض ہر طرح کی آزادی کی عطا کی گئی، اس لیے کہ اختلاف رائے اور خیالات کے اظہار کا حق ہی کسی بھی جمہوری معاشرے کے بنیادی اصول ہیں، معلومات اور افکار کے آزادانہ بہاؤ کے بغیر شہریوں کے مابین دلائل پر مبنی گفتگو ممکن نہیں ہے، اس کے بغیر معاشرہ مزید تقسیم اور عدم رواداری کا شکار ہوگا، اس لیے دستور ہند کی آئین ساز کمیٹی نے یہاں کے باشندوں کا لحاظ کرتے ہوئے دفعہ 19 تا 22 میں لکھا ہے "مملکت کے تمام شہریوں کو حق حاصل ہوگا۔"

(الف) مملکت کے ہر ایک حصہ میں تقریر اور اظہار کی آزادی کا۔

(ب) امن پسند طریقے سے اور بغیر ہتھیار کے جمع ہونے کا۔

(ج) انجمنیں یا یونین قائم کرنے کا۔ (د) بھارت کے سارے علاقے میں آزادانہ نقل و حرکت کرنے کا۔ (ھ) بھارت کے کسی بھی حصے میں بود و باش کرنے اور بس جانے کا۔

(و) کسی پیشے کے اختیار کرنے یا کسی کام دھندے، تجارت یا کاروبار چلانے کا۔

لیکن افسوس کہ پھر عوام کو آزادی رائے، آزادی خیال حاصل نہیں ہے، آج جمہوریت آمریت کا شاخسانہ بن گئی ہے، اگر کوئی کھل کر آواز اٹھاتا ہے یا آمریت کے خلاف قلم اور میڈیا کا استعمال کر کے جمہوری حق استعمال کرتا ہے، قوم وملت کی صحیح نمائندگی کرتا ہے، حکومت کی غلط پالیسیوں پر نقد کرتا ہے، مجرم لیڈروں سے کھل کر سوال کرتا ہے تو اس کو پس زنداں ڈھکیل دیا جاتا ہے، عوامی سطح پر جمع ہو کر اجلاس کرنا، حکومت کی غلط پالیسیوں کا تذکرہ کرنا، ہتھیار کے بغیر احتجاج کرنا بھی آج ایک جرم بن گیا ہے، احتجاجی مظاہرہ کرنے والوں پر نظر رکھ کر کچھ دنوں بعد گرفتار کر کے ان کو بدترین سزائیں دی جاتی ہے، یہ سب جمہوریت کے نام پر آمریت کو مسلط کرنا ہے۔

مذہب کی آزادی کا حق:

مذہب کے معاملے میں انسان نہایت حساس ہوتا ہے، دینی و مذہبی آزادی ایک ایسا جذباتی مسئلہ ہے جس پر کوئی سمجھوتا نہیں ہوسکتا، جب کبھی کسی حاکم اور بادشاہ نے اس مذہبی آزادی پر روک لگانے کی کوشش کی تو اس کا

تختہ حکومت الٹ دیا گیا، ان کی تاریخ تبدیل کر دی گئی، بلکہ ہندوستان کی اس زرخیز زمین سے آزادی کی جو آواز ہمارے اکابر نے بلند کی تھی اس کا ایک اہم مقصد یہ بھی تھا کہ مسلمان یہاں سکون واطمینان کے ساتھ اسلام پر عمل پیرا ہو سکیں، دوسرے مذاہب وادیان کی قدردانی کے ساتھ، ظلم و جبر کے بغیر آئینی حق کے ساتھ اپنے مذہب کی تبلیغ کر سکیں، ہندوستانی مسلمانوں کی سب سے بڑی تنظیم جمعیۃ علماء ہند کی یہ تجویز پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ آزادی کے حصول کہ غرض کیا تھی: (الف) ہمارا نصب العین آزادیِ کامل ہے۔

(ب) وطنی آزادی میں مسلمان آزاد ہوں گے۔ ان کا مذہب آزاد ہوگا۔ مسلم کلچر اور تہذیب آزاد ہوگی۔ وہ کسی ایسے آئین کو قبول نہ کریں گے، جس کی بنیاد ایسی آزادی پر نہ رکھی گئی ہو۔

(ج) جمعیۃ علماء ہند کے نزدیک ہندوستان کے آزاد صوبوں کا سیاسی وفاق ضروری اور مفید ہے، مگر ایسا وفاق اور ایسی مرکزیت جس میں اپنی مخصوص تہذیب وثقافت کی مالک نو کروڑ نفوس پر مشتمل مسلمان قوم کسی عددی اکثریت کے رحم وکرم پر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو ایک لمحہ کے لیے بھی گوارا نہ ہوگی، یعنی مرکز کی تشکیل ایسے اصولوں پر ہونی ضروری ہے کہ مسلمان اپنی مذہبی، سیاسی اور تہذیبی آزادی کی طرف سے مطمئن ہوں۔ (جمعیۃ علماء کیا ہے، ص ۳۳۳) مزید لکھا ہے کہ "ہم آزاد ہندوستان سے وہ آزاد ہندوستان مراد لیتے ہیں جس میں مسلمانوں کا مذہب ان کی اسلامی تہذیب اور قومی خصوصیات آزاد ہوں، مسلمان جو انگریز کی غلامی سے آزادی حاصل کرنے کے لیے بیش بہا اور شاندار قربانیاں پیش کریں گے ان کی نسبت ہندو کی غلامی قبول کرنے کے تصور سے بھی ان کی سخت توہین ہے۔" (جمعیۃ علماء کیا ہے، ص ۳۴۳-۳۴۴)

پھر دستور ساز کمیٹی نے اس کا لحاظ رکھا حتی کہ مذہبی آزادی کے سلسلے میں قانون میں تبدیلی کے حق سے آئندہ حکومتوں کو روکا اور اس قانون کو محفوظ رکھنے کے سلسلے میں کہا گیا کہ "کسی معاشی، مالیاتی، سیاسی یا دیگر غیر مذہبی سرگرمی کو، جس کا تعلق مذہبی عمل سے ہو سکتا ہو، منضبط کرے یا اس پر پابندی لگائے" اس کے بعد ملک کے باشندوں کو وہ تمام حقوق عطا ہوئے جن کا مطالبہ کیا گیا تھا، چنانچہ آئین کی دفعہ 25 میں کہا گیا ہے۔ "(1) امن عامہ، اخلاق عامہ، صحت عامہ اور اس حصہ کی دیگر توضیحات کے تابع تمام اشخاص کو آزادی ضمیر اور آزادی سے مذہب قبول کرنے، اس کی پیروی اور اس کی تبلیغ کرنے کا مساوی حق ہے۔ نیز بعض تعلیمی اداروں میں مذہبی تعلیم پانے یا مذہبی عبادت کے بارے میں آزادی دی گئی۔ لیکن افسوس کہ آج مذہبی آزادی کا دائرہ تنگ کر دیا گیا، آزادی سے مذہب پر عمل صرف مشکل ہی نہیں ناممکن بن گیا، اس ملک کی سب سے بڑی اقلیت کا (Mob Lynching) ہجومی تشدد کے ذریعے استحصال کیا گیا، نیز مذہبی شعائر پر روک لگانے کا سلسلہ تھمنے کا نام

نہیں لیتا، مسلم پرسنل لا میں مداخلت کی برابر جاری ہے، طلاق ثلاثہ، LOVE جہاد، گھر واپسی، سوریہ نمسکار، وندے ماترم، گاؤ ذبیحہ کے نام پر اس ملک کو زعفرانی رنگ میں رنگنے کی ہر ممکن کوششیں کی جاری ہیں، غنڈہ گردی اور لاقانونیت سر عام ہو رہی ہے، اور جمہوریت کے دعویدار مجرمانہ خاموشی و بے حسی بلکہ چشم پوشی سے کام لے رہے ہیں یہ سب آئین کی خلاف ورزی اور آمریت کی علامات ہیں۔

ثقافتی اور تعلیمی حقوق

اس ملک کی آئین ساز کمیٹی نے یہاں کے تمام باشندوں کو یکساں تعلیمی حقوق فراہم کیے اپنی تہذیب وثقافت کی حفاظت، تعلیم اور تعلم کے حصول میں آزادانہ طور پر ہر شہری کو مساوی حق دیا، چنانچہ آئین کے دفعہ 29 کے تحت موجود ہے کہ "بھارت کے علاقہ میں یا اس کے کسی حصہ میں رہنے والے شہریوں کے کسی طبقہ کو، جس کی اپنی الگ جداگانہ زبان، رسم الخط یا ثقافت ہو، اس کو محفوظ رکھنے کا حق ہوگا" نیز دستور نے دفعہ 30 کے تحت یہ حق بھی دیا کہ "تمام اقلیتوں کو، خواہ وہ مذہب کی بنا پر ہوں یا زبان کی، اپنی پسند کے تعلیمی ادارے قائم کرنے اور ان کا انتظام کرنے کا حق ہوگا" جس کی بنیاد پر اس ملک میں تعلیمی وتربیتی مراکز، ہزار ہا مدارس، پرائیویٹ اسکولز اور کالجز وجود میں آئے، اور ملت کو پڑھے لکھے اچھے شہری حاصل ہوئے، حب الوطنی سے سرشار لاکھوں مدارس کے فضلاء نے پُرامن طریقے اور جمہوری وآئینی حق کا استعمال کرتے ہوئے اس ملک کو آگے بڑھانے اور تعلیمی سطح پر اعلی معیار قائم کرنے کی تمام تر سعی کی، لیکن افسوس کہ جدید تعلیمی پالیسی کے نام پر مذہبی تعلیم کو ختم کر دیا جا رہا ہے، ہندوانہ رسم ورواج کا پابند کیا جا رہا ہے، گیتا اور رامائن کی تعلیم کا لزوم کیا جا رہا ہے، برہمنی تہذیب وثقافت کو ملک کے ہر شہری پر تھوپا جا رہا ہے، یہ سراسر جمہوریت کے خلاف اور غلط طرز عمل ہے، آج جمہوریت خطرے میں ہے، حکومتیں بڑی تیزی سے ایک خاص نظریہ کی طرف ملک کو ڈھکیل رہے ہیں، اقلیتوں اور خاص کر مسلمانوں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے۔

26 رجنوری یوم جمہوریہ کو عوام کوئی سنجیدہ اقدام کرے، جمہوریت کی حفاظت کی فکر کرے، ہمیشہ اپنے ووٹ کا صحیح استعمال کرے، اپنی نسلوں کو آزادی کا صحیح معنیٰ ومفہوم سمجھائے، اعلی تعلیم اعلی مقاصد کے حصول کے لئے دلوانے کی کوشش کرے، اس ملک کی آزادی میں ہمارے اکابر واسلاف کی لازوال اور انمٹ قربانیوں کا تذکرہ کرے، اس ملک کی صحیح تاریخ کو واشگاف کرے، نئی نسل کو جشن آزادی کا گیت پڑھانے کے ساتھ ساتھ آزادی کے اصل مقصد سے بھی روشناس کرائیں، ورنہ تو پھر آئندہ کے حالات اور اس ملک میں اقلیتوں کا مستقبل اتنا گھمبیر نظر آ رہا ہے کہ.... بس خدا بچائے۔ آمین

افاداتِ اکابر

اکابر کی چند زریں نصائح

ترتیب وپیشکش: حضرت مولانا مفتی محمد ارشد صاحب مدظلہٗ*

تعلیم وتدریس چھوڑ کر اوراد واشغال میں مصروف ہونا صحیح نہیں

فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کی اپنے ایک متعلق کو تربیتی نصیحت!

مولوی منہاج الدین صاحب مدفیوضہم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بندہ بعافیت ہے، تمہارا خط آیا، حال معلوم ہوا، مکرما! آدمی کا ایک قلب ہے اور ایک کام کو ہی بخوبی انجام دے سکتا ہے، دو کام متبائن جمع نہیں ہو سکتے، درس میں شغل بہ غیر ہے اور رات دن طلبہ اور مستفیضوں کے ساتھ اختلاط اور مضامین علمی میں تفکر اور تردد ہوتا ہے اور شغل یکسوئی اور فراغ از غیر۔ اور سب تخیلات کا رفع، پھر یہ دو کام کس طرح جمع ہو سکتے ہیں، کہ علم فرض اور اعلیٰ اشتغال اور نیابت فخر عالم علیہ الصلوۃ والسلام کی ہے، مقدم اور ضروری جان کر آپ اس میں مشغول رہیں اور اس کی تعلیم کو فرض اور وصیت فخر عالم علیہ الصلوۃ والسلام کی یقین کریں، (اس پر) کاربند (رہیں)، اور سب اوقات اپنے اس میں صرف کرتے رہیں، یہ خیال استغراق کا بھی ایک وسوسہ شیطانی ہے، کہ علم سے روک کر آپ کو ایک کام نفل وزائد (میں) لگانا چاہتا ہے، جب تم مستغرق ہوئے کسی کو کس طرح تعلیم وتدریس کرو گے؟ پس فقیہ واحد أشد علی الشیطان من الف عابد کو دیکھو اور اس خیال سے باز رہو، اس واسطے ہی شغل کرنا طالب علم کو ومدرس کو بندہ جائز نہیں جانتا اور ہمیشہ بیعت وشغل سے انکار کرتا ہے، وہی امر آپ کو پیش کیا، پس اب جس قدر ذکر اور شغل بدون حرج تدریس ہو سکے کر لیا کرو اور فکر ایسی خلوت اور استغراق کا ہرگز مت کرنا، کہ یہ وسوسہ ہے اور کسی کے کہنے سننے سے تمام عمر کی محنت کو۔ کرہ علم ہے۔ رائیگاں مت کرنا اور حجت اللہ اپنے اوپر قائم کر کے معصیت میں مبتلا مت ہونا اور جورو بچے کو چھوڑ کر بخیال درویشی نکلو گے تو فردا (کل) قیامت کو حقوق العباد کا کیا بندوبست اور جواب دو گے؟ اور جو تعلیم درس کو چھوڑ کر نفع متعدی کو ترک اور نفع لازم کی تحصیل میں جو ہنوز موہوم ہے۔ مشغول ہو گے تو فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا جواب دو گے کہ

* مہتمم مدرسہ جامعۃ الابرار بجھیڑی، مظفر نگر، یوپی

فرماتے ہیں" بلغوا عني ولو آية (الحديث)، فليبلغ الشاهد الغائب (الحديث) اور دیگر احادیث، کہ جس میں تبلیغ کو فرض اور علم کو واجب وعدہ شغل اور عبادت فرض اس کو فرمایا ہے اور شغل وتصوف وریاضت کہ ادب ومستحب ہے، اس میں منہمک ہو کر فرض کو ترک کر کے کیا نفع حاصل کرو گے، بجز مطالبہ عباد اور شارع علیہ السلام کے، پس زنہار زنہار کسی درویش قاطع علائق غافل از فن درس (ہرگز ہرگز کسی درویش، تارک الدنیا فن درس سے بے فکر کو دیکھ کر اور اس کے واردات (قلبی احوال) کو بزعم خود پسند مرجح (راج اور پسندیدہ) بنا کر اپنے فرض منصب کو ترک مت کرنا اور اپنے کام کو کسی درجہ حقیر اور کم جان کر دوسرے فن کو —— کہ فی الواقع بمراتب کم تعلیم علم سے ہے —— مت لینا، ہاں! جب تم اس تعلیم کے کام میں خوب ماہر ہو جاؤ اس وقت شغل کو کرو گے تو حرج نہ ہوگا اور پھر یہ سمجھو کہ ہر طبع جدا ہے، کسی کو مناسبت شغل سے ہوتی ہے تو اس کو اثر کامل ہوتا ہے اور جو نہیں ہوتی تو باوجود کثرت مشغولی کے نفع معتد بہ حاصل نہیں ہوتا، تو نفع معتد بہ حاصل کو نفع موہوم کے واسطے ضائع و ترک کرتے ہو؟ بہر حال یہ سب وسوسہ ہے، توبہ کرو اور تعلیم دین میں خوب سعی کرو اور شغل قدرے قلیل کرتے رہو، اور بس، آئندہ مختار ہو، فقط۔ (مجموعہ کلاں ص ۱۲۵۔۱۲۶) (منقول از باقیات فتاوی رشیدی ۴۱۹ تک ۴۲۱)

مثالی استاذ

میں نے گورنمنٹ گرلز کالج نلگنڈہ میں (۱۹۸۲۔۱۹۹۹ء) ایک بار اپنی طالبات سے "آپ کی نظر میں مثالی استاذ کیسا ہوتا ہے" پر مختصر مضمون لکھنے کو کہا تھا: ان کے جوابات کا حاصل یہ نکلا:

(۱) اپنے مضمون میں ماہر ہو۔ (۲) بہترین اخلاق کا حامل ہو۔ (۳) اُن کے ہر سوال کا جواب دے۔ (۴) ہر بات نرمی سے کرے۔ (۵) طالب علم کی صلاحیت کا صحیح اندازہ لگائے۔ (۶) تمام طلبہ پر یکساں توجہ دے۔ (۷) پڑھانے کا طرز دلچسپ ہو۔ (۸) اُن کی معلومات میں اضافہ کرتا رہے۔ (۹) اُن پر اتنا دباؤ نہ ڈالے کہ وہ آئندہ سال کرنے سے گریز کرنے لگیں۔ (۱۰) طالب علم کی غلطی کی اس طرح نشان دہی کرے کہ خود اس کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے۔ (۱۱) اس کی بھی تاکید کرے کہ تمام طلبا اپنے ساتھیوں سے اخلاق سے پیش آئے۔ (۱۲) ان کے ذاتی مسائل سے بھی واقف ہو۔

(حقیقی استاذ وہ جو ہمیشہ طالب علم رہے)

(از: ابن غوری)

افاداتِ اکابر

مدارسِ اسلامیہ عربیہ کی اہمیت

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس میں ذرہ برابر شبہ نہیں کہ اس وقت علومِ دینیہ کے مدارس کا وجود مسلمانوں کے لئے ایسی بڑی نعمت ہے کہ اس سے فوق متصور نہیں۔ دینا میں اگر اسلام کے بقاء کی کوئی صورت ہے تو یہ مدارس ہیں کیوں کہ اسلام نام ہے خاص اعمال وعقائد کا جس میں دیانت، معاملت ومعاشرت اور اخلاق سب داخل ہیں، اور ظاہر ہے کہ عمل موقوف ہے علم پر، علومِ دینیہ کی بقاء ہر چند کہ فی نفسہ مدارس پر موقوف نہیں مگر حالات وقت کے اعتبار سے ضرور مدارس پر موقوف ہے''۔

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جب ہندوستان میں حکومتِ مغلیہ کا چراغ گُل ہوگیا اور مسلمانوں کا سیاسی قلعہ اُن کے ہاتھوں سے نکل گیا تو بالغ نظر اور صاحبِ فراست علماء نے جابہ جا اسلام کی شریعت وتہذیب کے قلعے تعمیر کردیئے، انہی قلعوں کا نام ''عربی مدارس'' ہے اور آج اسلامی شریعت وتہذیب انہی قلعوں میں پناہ گزیں ہے، اور اس کی ساری قوت واستحکام انہی قلعوں پر موقوف ہے''۔ (اسلام کے قلعے: ۱۷)

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''سیرت دو چیزوں سے بنتی ہے، قوتِ علم قوتِ اخلاق، ان ہی دونوں قوتوں سے آدمی تمام مخلوقات پر فائق ہوتا ہے، پس مدارس دینیہ ان ہی دو چیزوں کو پیدا کرنے کے لئے قائم کیے گئے ہیں اگر یہ مدارسِ دینیہ نہ ہوں تو انسانیت دنیا سے ختم ہوجائے گی۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں لاکھوں روپئے خرچ ہوتے ہیں لیکن وہاں انسانیت نہیں سکھائی جاتی صرف صورتِ انسانی بنائی جاتی ہے؛ لیکن اِن ٹوٹے پھوٹے مکانوں میں جن کا نام ''مدرسہ اور خانقاہ'' ہے، حقیقتِ انسانیت سکھائی جاتی ہے اس لئے علم دین کا سیکھنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض کیا گیا ہے۔'' (بہ شکریہ ماہنامہ ضیائے علم کی خصوصی اشاعت ''تحفظ مدارس نمبر'' اکتوبر، نومبر، ڈسمبر ۲۰۲۲ء)

نقد وتبصرہ

نقد وتبصرہ

نام کتاب: فضائل اخلاق واخلاص

مولف: ابن غوری صفحات: ۶۴ قیمت: -/۷۰ روپئے

تبصرہ نگار: مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی (استاذ ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد)

ایک انسان دوسرے انسان کے اخلاق سے بہت متاثر ہوتا ہے، اسی لئے ہر مذہب میں اچھے اخلاق اختیار کرنے پر زور دیا گیا ہے، اسلام میں تو اخلاص اور اخلاق کی بہت زیادہ تاکید آئی ہے، اور خود صاحبِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم معلم اخلاق ہیں، چناں چہ حدیث شریف میں ہے کہ انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق کہ میں اخلاق کی بلندیوں کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں، اور عبادتوں میں اخلاص کو لازم قرار دیا گیا ہے، چناں چہ ارشاد ربانی ہے وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین اللہ کی طرف سے حکم دیا گیا ہے کہ اس کی عبادت اخلاص کے ساتھ کی جائے، اس کے علاوہ بہت سی آیات واحادیث میں اخلاص کا حکم دیا گیا ہے۔ اخلاق اور اخلاص کی اس اہمیت کے باوجود ہم مسلمانوں میں دونوں کی پستی بھی بہت ہے، اس لئے علماء کرام نے ہر زمانہ میں چھوٹی بڑی کتابیں اخلاق اور اخلاص کے فضائل وخوبیوں کے عنوان سے لکھی ہیں، اسی سلسلے کا ایک مختصر مگر جامع رسالہ حیدرآباد کے صاحبِ دل اور اہل اللہ کے صحبت یافتہ بزرگ محترم جناب ابنِ غوری صاحب زید مجدہٗ نے آج سے تقریباً ۴۲ سال قبل لکھا ہے، جس کا چھٹواں ایڈیشن شائع کیا گیا ہے یہ رسالہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ کی کتاب فضائل اعمال سے انتخاب کرکے تالیف کیا گیا ہے اور حضرت شیخ ؒ کی اجازت سے شائع کیا گیا ہے جس میں مستند احادیث وواقعات بیان کئے گئے ہیں۔

اس رسالہ سے فائدہ اُٹھانے کے لئے اُسے ہر گھر اور ہر مجلس میں پڑھا جائے تاکہ ہر چھوٹے بڑے اپنے اعمال میں اخلاص اور اپنے اخلاق درست کرسکیں، بجا طور پر یہ رسالہ ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کا مصداق ہے، اور ''بہ قامت کہہ تر بہ قیمت بہتر'' کا نمونہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف کو صحت وسلامتی سے رکھے اور ان کی اس کاوش کو قارئین کے لئے نفع بخش بنائے اور اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین

فقہ وفتاویٰ

آپ کے شرعی مسائل

از: مفتی محمد ندیم الدین قاسمی*

مائینارٹی اسکولس میں نماز جمعہ کا حکم

سوال: آج کل ریاست تلنگانہ کی جانب سے چلائے جانے والے ہائی اسکولس اور کالجس جو تلنگانہ مائینارٹی ریسیڈینشل اسکولس (TMRS) کے نام سے مشہور ہیں، اس میں مسلم طلباء کی اکثریت ہے، اور اکثر وبیشتر طلباء بالغ ومکلف ہوتے ہیں، جن کی تعداد دو ہزار سے بھی متجاوز ہوتی ہے، جو محلے اور آبادی سے باہر ہوتے ہیں، اور اندرون احاطہ میں کسی غیر متعلقہ افراد کو آنے کی اجازت نہیں رہتی، اور اولیائے طلبہ بھی بہ اجازت آسکتے ہیں، اور ان کالجوں واسکولس میں نمازِ جمعہ مکمل اہتمام کے ساتھ پڑھائی جاتی ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایسے کالجس واسکولس جہاں اذنِ عام نہ ہو، غیر آباد علاقے میں ہوں، اور نہ پنج وقتہ نماز کے لئے اذان دی جاتی ہو، اور نہ ہی باضابطہ مسجد ہو، تو نماز جمعہ کا انعقاد کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز شہر وآبادی والے اسکولس اور خارج شہر والے اسکولس کے لئے احکام میں کچھ فرق ہوں تو واضح کریں۔

جواب: مذکورہ بالا صورت میں وہ کالجس واسکولس جو بڑے شہروں میں ہیں، ان میں نماز جمعہ اپنی شرائط کے ساتھ منعقد کی جارہی ہے تو درست ہے؛ البتہ مسجد میں نماز جمعہ کی ادائیگی افضل ہوگی۔ اور وہ اسکولس جو دیہات یا قصبات میں یا ان سے ملحق علاقوں میں واقع ہیں اور اس دیہات یا قصبہ کی آبادی ڈھائی تین ہزار کے قریب ہو تو ایسے اسکولس میں نماز جمعہ کا انعقاد درست اور صحیح ہے؛ البتہ مسجد میں ادائیگی افضل ہے۔ اور وہ اسکولس وکالجس جو چھوٹے دیہات میں ہوں یا ایسے علاقے میں ہوں جہاں آس پاس کوئی آبادی نہ ہو وہاں جمعہ کی شرائط نہ ہونے کی وجہ سے جمعہ صحیح نہیں ہوگا؛ لہذا ایسے اسکولس میں جمعہ کے دن ظہر کی نماز کا اہتمام کروایا جائے۔ رہی بات ان اسکولس میں اِذن عام کے نہ ہونے کی تو یہ اذنِ عام کا نہ ہونا یہ انتظامی مصلحت کی بناء پر ہوتا ہے، نماز سے روکنے کے لیے نہیں ہوتا؛ اس لئے یہ مانع نہیں بن سکتا، نیز جمعہ کے انعقاد کے لئے باضابطہ مسجد

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

ہونا شرط نہیں؛ لہذا کھلے میدان میں بھی جمعہ منعقد ہوسکتا ہے، اور اسکولس وکالجس میں بھی نماز جمعہ کی اجازت دی جاسکتی ہے؛ بشرطیکہ اگر کوئی صرف نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے آنا چاہے تو رکاوٹ نہ ہو۔

(کتاب المسائل، ۱/۴۵۸)

طلاق کے بعد بچہ کس کو ملے گا؟

سوال: اگر کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی تو بچہ کس کے پاس رہے گا؛ ماں کے پاس یا باپ کے پاس؟

جواب: بچے کو رکھنے کا حق (حق پرورش) ماں کو حاصل ہے، لڑکا ہو تو سات سال اور لڑکی ہو تو بالغ ہونے تک اور بچوں کے اخراجات باپ کے ذمہ لازم ہیں۔ (فتاویٰ قاسمیہ، ۱۶/۷۲۱)

غیر مسلم کے ساتھ رہ کر بچے ہو جائے تو ان کا نسب

سوال: ایک مسلمان لڑکی، غیر مسلم لڑکے کے ساتھ فرار ہو کر کچھ سال تک اسی کے ساتھ رہی اور تین بچے بھی ہوئے اب وہ لڑکا اسلام قبول کرتا ہے تو معلوم یہ کرنا ہے کہ جو بچے اس مسلم لڑکی کے غیر مسلم سے کفر کی حالت میں ہوئے، ان بچوں کا نسب اس لڑکے سے ثابت ہوگا یا نہیں؟ اور یہ اس لڑکے کے وارث ہوں گے یا نہیں؟

جواب: مسلم لڑکی کو اس لڑکے سے کفر کی حالت میں جو تین بچے ہو گئے ہیں ان کا نسب اس غیر مسلم لڑکے سے ایمان قبول کرنے کے بعد ثابت نہیں ہوگا؛ بلکہ یہ سب بچے ولد الزنا شمار ہوں گے، اور نہ ہی یہ بچے اس نومسلم لڑکے کے وارث ہوں گے۔ (فتاویٰ قاسمیہ، ۱۳/۲۶۲)

رجب کے کونڈوں کی شرعی حیثیت

سوال: کونڈوں کی کیا اصل ہے؟ ان کا کرنا باعثِ ثواب یا گناہ؟

جواب: رجب میں کونڈے کرنے کی مروجہ رسم خلافِ شرع اور ممنوع ہے، اور یہ جو عقیدہ ہے کہ ۲۲ رجب کو حضرت جعفر صادق کی پیدائش ہوئی، یہ درست نہیں ہے؛ کیوں کہ ان کی پیدائش رمضان میں ہوئی اور وفات شوال میں ہوئی، ۲۲ رجب یا پورے رجب سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے؛ بلکہ ۲۲ رجب حضرت امیر معاویہؓ کی تاریخِ وفات ہے، شیعوں اور رافضیوں نے حضرت امیرِ معاویہؓ کی وفات کی خوشی میں کونڈے کی بدعت جاری کی تھی؛ چوں کہ مسلمانوں کو کونڈے کی تاریخ اور ابتداء سے واقفیت نہیں ہے اس لئے وہ بھی اچھا کام سمجھ کر اس میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ (فتاویٰ قاسمیہ، ۲/۴۹۵)

ASHRAFUL JARAID MONTHLY Rs20/-
RNI No: APURD/2007/24089 Postal. No: HSE/884/23-25
Date of Publication 3rd Jan-23, date of Posting 5th Jan-23

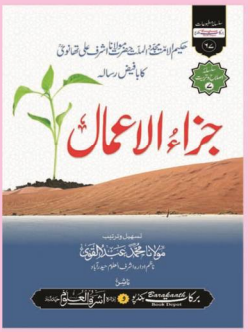

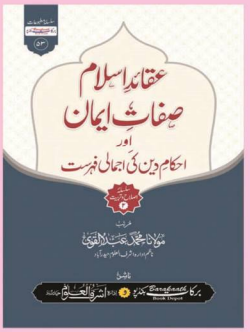

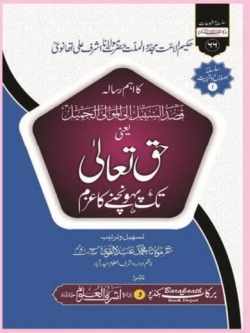

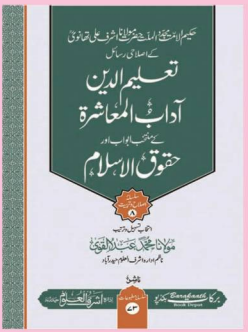

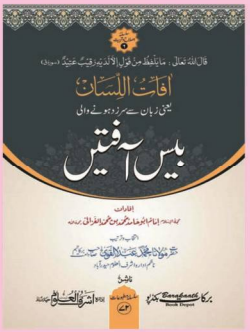

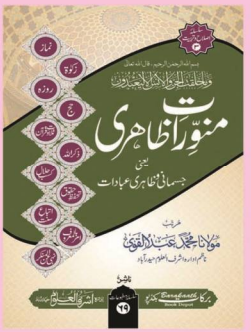

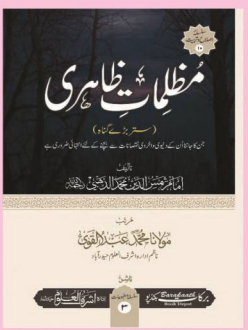

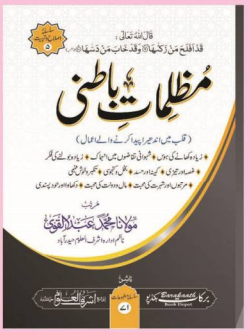

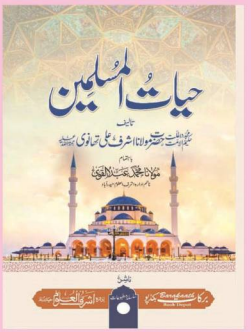

Printer, Publisher & Owner: Mohd Abdul Qavi, # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059
Published from: # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059
Editor : Mohammed Abdul Qavi. Printed at: Aish Offset Printers, Cellar Masjid-e-Meraj, Sayeedabad, Hyd-59